بھول جائے۔ لیکن ذاتِ واجب تعالیٰ میں علم کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ذاتِ حق سبحانہٗ اس سے منزہ ہے کہ اس میں اشیاءِ معلومہ کی صورتیں حلول کر سکیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کے علم کا تعلق اشیاء کے ساتھ قائم ہوتے ہی اشیا حق تعالیٰ پر خود بخود منکشف ہو جاتی ہیں۔ پس پاک ہے وہ ذات جو طرح طرح کے احوال پیدا ہونے سے اپنی ذات، صفات اور افعال میں کسی تغیر کو قبول نہیں کرتی۔ اور جو عارف خدائی اخلاق میں رنگ جاتا ہے اس کا علم بھی اسی انداز کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس میں بھی معلوم اشیا کی صورتیں حلول نہیں کرتیں۔ لہذا اس کے حق میں بھی کوئی اثر پذیری نہیں ہوتی۔ اور اس وجہ سے نہ اس میں کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی تلوین۔ لہذا وہ کوئی نقص نہیں ہوتا بلکہ کمال بنتا ہے۔ یہ حکمت اور راز دقیق اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی برکت سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے ساتھ مخصوص فرما لیتے ہیں۔

۲۷۔ منہا

اطمینانِ نفس کے بعد مقامِ رضا کا حصول

اس فقیر کو رجوع الی الحق کے ابتدائی زمانے یعنی سلوک کی راہ میں قدم رکھنے کے وقت سے بارہویں سال میں مقامِ رضا سے مشرف فرمایا گیا۔ اول نفس کو اطمینان

کی دولت بخشی گئی اور اس کے بعد بتدریج، محض فضلِ خداوندی سے اس سعادت (مقامِ رضا) سے بہرہ اندوز فرمایا گیا۔ یہ فقیر اس وقت تک اس دولت سے مشرف نہیں ہوا جب تک کہ بارگاہِ ایزدی جل سلطانہٗ کی رضا کا ایک پرتو (عکس) روشن ہو کر سامنے نہیں آیا۔ اس کے بعد نفسِ مطمئنہ اپنے مولیٰ سے راضی ہو گیا۔ اور اس کا مولیٰ نفسِ مطمئنہ سے راضی ہو گیا۔ اس نعمت پر اللہ سبحانہٗ کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ ایسی حمد و ثنا جو بے پایاں اور پاکیزہ ہو اور اس کے اندر اور اس کے اوپر برکت ہی برکت ہو، ایسی حمد و ثنا کہ جس کو ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور راضی ہو، اور درود و سلام ہو اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر جیسا بھی ان کی ذات کے لائق ہو۔

۵۳ **سوال**: اگر لوگ سوال کریں کہ جب نفسِ (مطمئنہ) اپنے مولیٰ اور آقا سے راضی ہو گیا تو اس کے بعد دعا، اور مصیبت و بلا کو دفع کرنے کی خواہش و طلب کے کیا معنی ہوں گے؟

جواب: اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ مولیٰ (یعنی حق) تعالیٰ کے فعل سے راضی ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اس کی مخلوق سے بھی راضی ہو جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق سے راضی ہونا جو کفر اور معاصی کے رنگ میں ہو معیوب اور قبیح ہوتا ہے۔ لہٰذا قبیح کی پیدائش سے تو رضا ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی خود اس قبیح مخلوق سے ناپسندیدگی اور کراہت ضروری ہے۔ جبکہ خود اللہ تعالیٰ بھی قبیح سے راضی نہیں ہوتا

تو بندہ اس سے کس طرح راضی ہو سکتا ہے۔ بلکہ بندہ تو اس صورت میں شدت اور سختی بر تخیر پر مامور ہے۔ لہٰذا مخلوق سے کراہت اور ناپسندیدگی اُس کے فعلِ پیدائش سے رضا اور پسندیدگی کے منافی نہیں ہے۔ اس توجیہ کے بعد مصیبت و بلا کے دفعیہ کی طلب کے مستحسن معنی پیدا ہو جاتے ہیں، اور جن لوگوں نے فعل (خَلق) سے رضا اور مفعول (مخلوق) سے کراہت میں فرق نہیں کیا، وہ حصولِ رضا کے بعد کراہت کے موجود ہونے میں اشکالات میں پڑ گئے ہیں، اور ان کو رفع کرنے کے لئے انھوں نے طرح طرح کے تکلفات کئے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ کراہت کا پایا جانا، رضا کے حال کے منافی ہے۔ رضا کے مقام کے منافی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہ کے الہام سے تحقیق کے ساتھ بیان کر دی ہے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۴۸ ۔ منہا

قراءت خلف الامام | مجھے مدتوں اس کی آرزو رہی کہ مذہبِ حنفی میں کوئی معقول وجہ ایسی نکل آئے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قراءت کی جائے جبکہ نماز میں قراءت کرنا فرض ہے تو قراءتِ حقیقی کو چھوڑ کر قراءتِ حکمی کو اس کی جگہ دیدینا معقول معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور ساتھ ہی حدیثِ نبویؐ میں بھی یہ بات آچکی ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (فاتحۃ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز، نماز ہی نہیں) لیکن بپاسِ مذہب (حنفی) مجبوراً

ترکِ قراءت کرتا تھا۔ اور اس ترک کو ریاضت اور مجاہدہ کی قسم سے شمار کرتا تھا، کیونکہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں جانا بھی (ایک گونہ) الحاد ہی ہے۔ آخر کار حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مذہب (حنفی) کی اس رعایت کی برکت سے مقتدی کے قراءت کو چھوڑ دینے کے بارے میں مذہب حنفی کی حقیقت کو واضح فرمادیا۔ اور پھر بصیرت کی نگاہ میں قراءتِ حکمی ہی قراءتِ حقیقی کے بجائے زیبا تر نظر آئی۔ کیونکہ امام اور مقتدی سب کے سب متفقہ طور پر مقامِ مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں لِاَنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ (کیونکہ نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے مناجات ہی تو کرتا ہے) اور انھوں نے امام کو اس سلسلہ میں اپنا پیشوا (اور ترجمان یا نمائندہ) بنایا ہے۔ لہٰذا امام جو کچھ پڑھتا ہے گویا پوری قوم کی زبان سے پڑھتا ہے۔ بالکل اسی انداز سے جیسا کہ لوگوں کی کوئی جماعت (وفد) کسی ضرورت کے سلسلہ میں کسی عظیم الشان بادشاہ کے سامنے پیش ہوتی ہے اور ایک آدمی کو اپنا پیشوا (نمائندہ) بنالیتی ہے تاکہ وہ ان تمام لوگوں کی زبان سے (بادشاہ کے سامنے) عرضِ حاجت کرے۔ اس صورت میں اگر دوسرے لوگ اپنے پیشوا کے بولنے کے باوجود خود بھی بولنا شروع کردیں تو یہ بے ادبی اور گستاخی میں داخل ہوگا اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث بنےگا۔ لہٰذا اس جماعت کا تکلم حکمی جو ان کے پیشوا (نمائندہ) کی زبان سے ادا ہو رہا ہے، ان سب کے تکلمِ حقیقی سے بہتر ہے۔ بالکل یہی حال امام کی قراءت کے باوجود قوم کے قراءت کرنے کا ہے کہ یہ شور و شغب میں داخل

اور ادب سے دُور اور بتر بتر ہونے کا باعث ہے جو اجتماع کے منافی ہے۔
حنفی اور شافعی فقہ کے اکثر اختلافی مسائل اسی قسم کے ہیں کہ ان کا ظاہر اور ان کی صورت امام شافعیؒ کی جانب کو ترجیح دینے والی معلوم ہوتی ہے لیکن ان کا باطن اور ان کی حقیقت مذہبِ حنفی ہی کی مؤید ہے۔

کارکنانِ قضا و قدر نے اس فقیر پر یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ علمِ کلام کے اختلافات میں بھی حق، حنفی ہی کی جانب ہے۔ مثلاً حنفی، تکوین کو صفاتِ حقیقیہ میں سے شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ (یہ کوئی حقیقی صفت نہیں ہے بلکہ) اس کا انجام قدرت اور ارادہ ہی کی صفات ہیں۔ لیکن باریک بینی اور نورِ فراست سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تکوین (واقعی) ایک علیحدہ (اور مستقل) صفت ہے۔ علی ہذا القیاس۔ اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق فقہِ حنفی کی طرف ہی متیقن ہے۔ بہت کم مسائل ہیں جن میں کوئی تردد کر سکتا ہے۔

ماتریدیہ کی تائید احوالِ سلوک کے درمیانی حالات میں ایک مرتبہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں اس فقیر سے فرمایا تھا کہ "تو علمِ کلام کے مجتہدین میں سے ہے"۔ اسی وقت کر مسائلِ کلامیہ کے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی خاص رائے اور مخصوص علم ۵۵ ہوتا ہے۔ اکثر اختلافی مسائل میں جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے درمیان جھگڑا ہے، جب وہ مسئلہ ابتدائی طور پر سامنے آتا ہے تو حقیقت اشاعرہ کی طرف سمجھ میں آتی ہے لیکن جب نورِ فراست سے باریک بینی کے ساتھ

غور کیا جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ ہی کی طرف ہے۔ علمِ کلام کے تمام اختلافی مسائل میں اس فقیر کی رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے اور سچی بات یہ ہے کہ سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی پیروی کی وجہ سے ان بزرگوں کی بڑی ہی شانِ عظیم ہے جو ان کے مخالفین کو میسر نہیں ہے کیونکہ انھوں نے فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں کی بڑی آمیزش کر ڈالی ہے۔ اگرچہ دونوں فریق اہلِ حق میں سے ہیں۔

امام اعظمؒ کی عظمت ان بزرگوں کے بزرگ ترین امام، امامِ اجل، پیشوائے اکمل ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلندئ شان کے متعلق میں کیا لکھوں کہ وہ تو تمام مجتہدین میں خواہ امام شافعیؒ ہوں یا امام مالکؒ اور یا امام احمد ابن حنبلؒ ہوں سب سے زیادہ عالم اور تقویٰ اور ورع میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ أَبِي حَنِيْفَةَؒ (سارے فقہا ابو حنیفہؒ کے پروردہ ہیں) منقول ہے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظمؒ کی قبر کی زیارت کے لئے جاتے تھے تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی رائے پر عمل نہیں کرتے تھے

لہ آپ کا اصل نام نعمان بن ثابتؒ ہے اور کنیت ابو حنیفہؒ ہے امام اعظمؒ اور امام صاحب لقب ہے، ۸۰ھ میں کوفہ میں ولادت ہوئی۔ اور ۱۵۰ھ بعہد منصور عباسی بغداد میں انتقال فرمایا۔ آپ کے اصل استاد حمادؒ تھے۔ اُن کے علاوہ اور بھی ائمہ اور تابعین سے آپ نے فیض حاصل کیا آپ کے شاگردوں میں امام ابو یوسفؒ، امام محمد شیبانیؒ اور امام زفرؒ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ فقہ کے چار اماموں میں آپ پہلے امام ہیں، تمام دنیائے اسلام کے اہلسنت وجماعت کا سوادِ اعظم آپ ہی کے مرتبہ کئے ہوئے مسائلِ فقہیہ پر کاربند ہے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے سامنے میں اپنی اُس رائے پر عمل کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو"۔ وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیتے تھے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی نہیں پڑھتے تھے۔ یقیناً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ شان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کل کو (آئندہ زمانے میں) جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہی عمل فرمائیں گے۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا[۱] قدس سرہ (اپنی کتاب) "فصولِ ستہ" میں فرماتے ہیں۔ ان (امام ابو حنیفہؒ) کے لئے یہی بزرگی بہت کافی ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر اُن کے مذہب پر عمل کریگا۔ دوسری سینکڑوں بزرگیاں اس ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ ہمارے حضرت خواجہ (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ تھوڑے ۵۶
عرصہ تک میں بھی امام کے پیچھے (نماز میں) سورۂ فاتحہ پڑھتا رہا ہوں۔ آخر کار میں نے ایک رات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک روشن اور شاندار قصیدہ خود اپنی مدح میں پڑھ رہے تھے۔ اور اس قصیدہ سے یہ مضمون مستفاد ہوتا تھا کہ بے شمار اولیاء اللہ میرے مذہب میں ہو چکے ہیں۔ اسی وقت سے میں نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا۔

---

[۱] حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد بن محمد بن محمود الحافظی اور لقب پارسا تھا حضرت خواجہ نقشبندؒ کے خلیفہ تھے۔ ولادت ۷۴۹ھ میں ہوئی ـــــ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں ۲۴ ذی الحجہ ۸۲۲ھ کو وصال ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قریب جنت البقیع میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

۲۹۔ منہا

حصولِ اجازت کمال پر موقوف نہیں | کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کوئی کامل بزرگ کسی ناقص مرید کو طریقت کی تعلیم کی اجازت دیدیتا ہے اور اس ناقص شخص کے مریدین کے اجتماع کے ضمن میں اُس ناقص کا کام بھی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہٗ) نے مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کو درجۂ کمال تک پہنچنے سے پیشتر ہی طریقت کی تعلیم کی اجازت مرحمت فرمادی تھی اور فرمایا تھا کہ "اے یعقوب! جو کچھ تجھے مجھ سے پہنچا ہے اسے لوگوں تک پہنچا"۔ —— حالانکہ مولانا موصوف کا کام اس کے بعد خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہٗ کی خدمت میں سرانجام تک پہنچا۔ اسی لئے حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ نفحات الانس میں مولانا کو اوّل خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں شمار کرتے ہیں پھر خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی طرف اُن کی نسبت فرماتے ہیں اور جب کوئی کامل بزرگ اپنے کسی مرید کو جو درجاتِ ولایت میں سے ایک درجہ کی استعداد رکھتا ہے، اس درجہ کے حاصل ہو جانے کے بعد طریقت کی تعلیم دینے کی اجازت دیدیتا ہے تو یہ اجازت بھی اسی قسم کی ہے۔ اور وہ مرید ایک طرح سے کامل ہے اور ایک طرح سے ناقص ہے۔ اور اس مرید کا حال بھی اسی طرح پر ہے جو درجاتِ ولایت میں سے دو درجوں یا تین درجوں کی استعداد رکھتا ہے، وہ بھی ایک لحاظ سے کامل ہے اور ایک لحاظ سے ناقص ہے۔ کیونکہ

نہایت النہایت (یعنی آخری نقطۂ کمال) تک پہنچنے سے پہلے تمام درجے ایک جہت سے کمال کہے جا سکتے ہیں اور دوسری جہت سے نقص بھی کہلا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود شیخِ کامل اپنے اس مرید کو اس کی استعداد کے مرتبہ کے حصول کے بعد طریقت کی تعلیم کی اجازت دیدیتا ہے۔ لہٰذا اجازت کمالِ مطلق (انتہائی کمال) پر موقوف نہ ہوئی۔ ۵۷

شبہہ کا ازالہ | جاننا چاہئے کہ نقص اگرچہ اجازت کے منافی ہے لیکن جب کوئی خود کامل اور دوسروں کو کامل کرنے والی شخصیت کسی ناقص کو اپنا نائب بنا دیتی ہے اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ جان لیتی ہے تو اس نقص کا ضرر متعدی نہیں ہوا کرتا۔ اور تمام امور کی حقیقتوں کو اللہ سبحانہ ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

۳۰۔ منہا

یادداشت کے تین مدارج | یادداشت سے مراد، حضرتِ ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کا دوامِ حضور ہے۔ اور یہ بات کبھی کبھی ان لوگوں کو بھی جو مقامِ قلب پر فائز ہوتے ہیں جمعیتِ قلب کی وجہ سے خیال میں آجاتی ہے کیونکہ جو کچھ انسان کی مجموعی حیثیت میں پایا جاتا ہے وہ سب کچھ تنہا قلب میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگرچہ دونوں کے درمیان اجمال اور تفصیل کا فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا مرتبۂ قلب میں بھی ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کا حضور بطورِ دوام ہی کے میسّر ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات محض یادداشت کی صورت ہے، یادداشت کی حقیقت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ

مشائخ نے جو اندراج النہایت فی البدایت (آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی)
فرمایا ہے اس میں یادداشت کی اِسی صورت کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔
یادداشت کی حقیقت تو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے بعد ہی حاصل
ہوتی ہے۔ لیکن اگر حضرتِ ذاتِ حق سے مراد، مرتبۂ وجوب لیا جائے
جس میں کہ ذات، تمام صفاتِ وجوبیہ کی جامع ہوتی ہے تو تمام
امکانی مراتب کو طے کر لینے کے بعد محض اس مرتبہ کے شہود تک رسائی
حاصل کر لینے کے ساتھ ہی یادداشت کا حصول ہو جائے گا اور تجلیاتِ
صفاتی میں بھی یہ معنی متحقق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں صفات کا
پیشِ نظر رہنا ذاتِ حق تعالیٰ کے حضور کے منافی نہیں ہے۔ اور اگر حضرت
ذاتِ حق تعالیٰ سے مراد، مجردِ احدیت کا مرتبہ لیا جائے جو تمام اسماء،
صفات، نسبتوں اور تمام اعتبارات سے خالی ہے تو پھر یادداشت
کا حصول، تمام مراتب اسمائی، صفاتی، نسبتی اور اعتباری کو طے کر لینے ۵۵
کے بعد ہی متصور ہوتا ہے۔ اور اس فقیر نے جہاں کہیں بھی بیان کیا ہے
"یادداشت" کے لفظ کو آخری معنوں ہی میں استعمال کیا ہے۔ اگرچہ
اس مرتبہ پر "حضور" (کے لفظ) کا اطلاق بھی مناسب نہیں ہے جیسا کہ
اربابِ یادداشت پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مقام، حضور اور غیبت
دونوں سے بلند ہے۔ "حضور" کا لفظ بولنے کے لئے صفات میں سے کسی
ایک صفت کا پیشِ نظر رہنا ضروری ہے۔ جو کچھ لفظِ حضور کے مناسب
ہے وہ یادداشت کی وہی تفسیر ہے جو معنیٔ دوم میں کی گئی ہے (یعنی

ذاتِ حق سے مراد مرتبۂ وجوب لینا) اور اس مفروضہ کی بنا پر یادداشت کو انتہا کہنا شہود و حضور ہی کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر تو شہود و حضور کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد یا حیرت ہے یا جہل ہے یا معرفت ہے۔ (لیکن) وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت سمجھ رہے ہو۔ کیونکہ تمہاری وہ معرفت تو افعالی اور صفاتی معرفت ہے اور یہ مقامِ اسماء و صفات کی معرفت سے کتنی ہی منزلیں اوپر ہے۔ اور درود و سلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آلِ اطہر پر۔

۳۱۔ منہا

دس مقامات کو طے کئے بغیر نہایت النہایت تک رسائی ممکن نہیں

اس راہ کی تکمیل اور نہایت النہایت (معرفت کے آخری نقطہ) تک وصول دس مشہور مقامات کو طے کر لینے پر منحصر ہے۔ ان میں سے پہلا مقام "توبہ" ہے اور آخری مقام "رضا" ہے۔ مراتبِ کمال میں کوئی مقام بھی مقامِ رضا سے بڑھ کر نہیں ہے حتی کہ رویتِ اخروی بھی (اس سے بڑھ کر نہیں ہے)۔ مقامِ رضا کی حقیقت جیسا کہ چاہئے آخرت ہی میں ظہور پذیر ہوگی۔ دوسرے مقامات کا حصول آخرت میں نہیں ہوگا۔ وہاں "توبہ" کوئی معنی نہیں رکھتی "زہد" کی وہاں گنجائش نہیں۔ "توکل" کی وہاں کوئی صورت نہیں بنتی۔ "صبر" کا وہاں کوئی احتمال نہیں۔ ہاں "شکر" اگرچہ وہاں پایا جاتا ہے لیکن وہ شکر بھی رضا ہی کی ایک شاخ ہے، رضا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔

سوال: اگر لوگ دریافت کریں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک خود کامل اور دوسروں کو کامل بنانے والی ہستی میں دنیا کی طرف رغبت پائی جاتی ہے۔ اور ان کی بہت سی ایسی باتیں مشاہدہ میں آتی ہیں جو توکل کے منافی ہیں۔ بے صبری بھی جو صبر کے منافی ہے ان میں نظر آتی ہے۔ اور ناپسندیدگی بھی جو رضا کی ضد ہے ان میں پائی جاتی ہے۔ تو اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟۔

جواب: اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ان تمام مقامات کا ۵۹
حصول قلب اور روح کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور خاص الخاص لوگوں کے متعلق ان مقامات کا حصول نفسِ مطمئنہ میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن جہاں تک قالب اور جسم کا تعلق ہے وہ اس حقیقت سے خالی اور محروم ہی رہتا ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ تیزی اور شدت ٹوٹ جاتی ہے۔

کسی شخص نے شبلیؒ[1] سے دریافت کیا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کی یہ فربہی تو محبت کے منافی ہے۔ شبلیؒ نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

أَحَبَّ قَلْبِي وَمَا دَرَى بَدَنِي — وَلَوْ دَرَى مَا أَقَامَ فِي السِّمَنِ[2]

---

[1] آپ کی کنیت ابوبکرؒ ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ پر اکثر سکر کا غلبہ رہتا تھا آخر عمر میں اس خیال سے کہ معلوم کب موت آجائے لا الہ الا اللہ کی جگہ صرف اللہ کہنے لگے تھے۔ آپ کی شان اتنی بلند تھی کہ خود آپ کے شیخ حضرت جنیدؒ آپ کو قوم کا تاج کہتے تھے۔ ۲۷ر ذی الحجہ ۳۳۴ھ کو ۸۸ سال کی عمر میں بغداد میں انتقال فرمایا۔

[2] ترجمہ: میرے قلب نے محبت کی لیکن میرے جسم کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اگر بدن کو معلوم ہو جاتا تو وہ اس موٹاپے میں نہ رہتا۔

ترجمہ

دل اسیرِ عشق تھا لیکن بدن تھا بے خبر
ورنہ خود اپنے ہوتا ہے پرائے سے ہوتا حذر

لہٰذا اگر کسی کامل کے قالب (یعنی جسم) میں ان مقامات کے منافی چیزیں ظہور کریں تو اس بزرگ کے باطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان مقامات کے حصول میں یہ چیزیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں۔ اور غیر کامل (ناقص) آدمی میں ان مقامات کے نقائص اس کی کلیت (مجموعی حیثیت) میں، یعنی باطن اور ظاہر دونوں میں ظہور کرتے ہیں اور ایسا آدمی ظاہر و باطن میں دنیا کا راغب بن جاتا ہے۔ اور توکل کے خلاف چیزیں اس کی صورت اور حقیقت دونوں میں پائی جاتی ہیں اور اس کے قلب اور قالب (جسم) دونوں میں بے صبری اور اضطراب ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اور اس کے روح اور بدن دونوں میں کراہت (ناپسندیدگی) ظاہر ہونے لگتی ہے۔ یہی چیزیں ہیں جنھیں حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لئے حجابات بنا دیا ہے اور اکثر لوگوں کو ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رکھا ہے۔ اور ان چیزوں کو اولیاء کے اندر باقی رکھنے میں ایک دقیق حکمت ہے۔ اور وہ حکمت حق کا باطل سے ممتاز نہ ہونا ہے جو کہ اس دنیا کے لئے جو ابتلاء اور آزمائش کا مقام ہے لازمی ہے۔ اور اولیاء کے اندر ان چیزوں کو باقی رکھنے میں دوسری حکمت ان کی ترقی ہے اگرچہ یہ چیزیں ان میں محض صورت کی حیثیت سے پائی جاتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں اولیاء سے بالکل ہی مرفوع ہو جائیں (یعنی ان میں نہ پائی جائیں) تو ان کی ترقی کا راستہ بند ہو جائے۔ اور وہ بھی ملائکہ کی طرح ایک ہی

مقام میں قید ہو کر رہ جائیں۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے اور آپؐ کی
آل پر کامل ترین اور مکمل ترین درودیں اور سلام ہوں۔

۳۲۔ منہا

اولیاء اللہ کے ظاہر و باطن کا فرق! بار الٰہا! یہ کیا چیز ہے جو تو نے اپنے اولیاء کے سلسلے میں کر دی ہے کہ ان کا باطن تو خضرؑ کا آبِ زُلال (مقطر اور صاف پانی) ہے کہ جس نے اس سے ایک قطرہ بھی چکھ لیا اُس نے حیاتِ ابدی (دائمی زندگی) پالی۔ اور ان کا ظاہر، زہرِ قاتل ہے۔ جس نے ان کے ظاہر کی طرف دیکھا وہ ابدی موت میں گرفتار ہو گیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ اُن کا باطن رحمت ہے اور ان کا ظاہر زحمت ہے۔ ان کے باطن کو دیکھنے والا انہی میں شمار ہوتا ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدمذہب ہوتا ہے۔ بظاہر جَو دکھانے والے ہیں لیکن حقیقت میں گیہوں بخشنے والے ہیں۔ بظاہر تو عام انسانوں میں سے ہیں لیکن باطن میں خاص فرشتوں میں سے ہیں۔ ظاہری طور پہ تو زمین پر ہیں لیکن حقیقت میں آسمانوں پر بسیرا کرنے والے ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے والے بدبختی سے نجات پالیتے ہیں اور ان سے محبت رکھنے والے سعادت سے ہمکنار ہیں۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (یہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ یاد رکھو، اللہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں) اور اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر۔

۳۳ ۔ منہا

اولیاء اللہ کی پوشیدگی کا سبب

حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اولیاء اللہ کو کچھ اس انداز سے پردے میں چھپایا ہوا ہے کہ ان کے ظاہر کو بھی ان کے باطن کے کمالات کی خبر نہیں ہوتی۔ ان کے سوا دوسرے لوگوں کو تو کیسے خبر ہو سکتی ہے۔ ان کے باطن کو جو نسبت کہ مرتبہ بے چونی (بے علتی) اور مرتبۂ بے چگونی (بے کیفی) سے حاصل ہو گئی ہے وہ بھی بے چون ہے۔ اور ان کا باطن چونکہ عالمِ امر سے ہے اس لئے اسے بھی اس بیچونی سے حصہ ملا ہے۔ اور ظاہر جو کہ سراسر چون ہے (یعنی گرفتارِ اسباب و علل ہے) وہ اس کی حقیقت کو کیا جان سکتا ہے بلکہ کچھ بعید نہیں کہ وہ انتہائی جہالت اور عدم مناسبت کی وجہ سے اس نسبت کے حاصل ہونے سے انکار کر دے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نسبت کے حاصل ہونے کا اعتراف کر لے لیکن یہ نہ سمجھ سکے کہ اس نسبت کا تعلق کس کی ذات سے ہے۔ بلکہ اکثر ایسا بھی ہوگا کہ وہ متعلقِ حقیقی (جس کے ساتھ حقیقت میں تعلق ہے) کی نفی ہی کر دیگا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ یہ نسبت بہت بلند ہے اور (اس کے مقابلے میں) ظاہر نہایت ہی پست چیز ہے۔ اور
صا۶۱ باطن خود بھی اس نسبت سے مغلوب ہے، اور وہ دید و دانش (دیکھنے اور سمجھنے) ہی سے چھٹکارا پا چکا ہے۔ وہ کیا جانے کہ وہ کیا رکھتا ہے اور کس کے ساتھ رکھتا ہے۔ لہٰذا ناچار سوائے اس کے کہ معرفت سے عجز کا اعتراف کیا جائے معرفت کی طرف راہ ہی نہیں ملتی۔ اسی وجہ سے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے "العجز عن درک الادراک ادراک" (یعنی ادراک کو حاصل کرنے سے عاجزی ہی ادراک ہے) یہاں خود ادراک سے مراد وہ خصوصی نسبت ہے جس کے ادراک سے عجز ضروری ہے۔ کیونکہ صاحبِ ادراک مغلوب ہوتا ہے وہ اپنے ادراک کو نہیں جان سکتا۔ اور دوسرے لوگ بھی اس کے حال کو نہیں جانتے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

۳۴۔ منہا

بدعتِ اعتقادی کا نقصان ایک شخص صوفیوں کے لباس میں ہوتے ہوئے جو بدعتِ اعتقادی رکھنے میں مبتلا تھا، یہ فقیر اس کے بارے میں متردد تھا اتفاقاً ایک روز میں کیا دیکھتا ہوں کہ انبیاء "صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم باجمعہم" جمع ہیں اور سب اس شخص کے حق میں متفق ہو کر فرما رہے ہیں کہ لَیْسَ مِنَّا (یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے)۔ اسی اثناء میں دل میں خیال آیا کہ ایک دوسرے شخص کے متعلق بھی جس کے حق میں یہ فقیر متردد تھا دریافت کر لوں۔ اس شخص کے بارے میں حضرات انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا کہ کَانَ مِنَّا (وہ شخص ہم میں سے تھا) ہم بد اعتقادی سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اس کے بزرگ انبیاء کے طعن سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔

۳۵۔ منہا

متشابہات کی تاویل اس فقیر پر کارکنانِ قضا و قدر نے ظاہر فرمایا کہ

الفاظِ "قرب" اور "معیت" اور "احاطۂ حق" سبحانہ وتعالیٰ جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں منجملہ متشابہاتِ قرآنی کے ہیں جیسا کہ لفظ "ید" اور "وجہ" وغیرہ اور یہی حال لفظِ "اول" و "آخر" و "ظاہر" و "باطن" اور ان جیسے دوسرے الفاظ کا ہے۔ لہٰذا ہم حق سبحانہ وتعالیٰ کو قریب کہتے ہیں، لیکن ہم نہیں جانتے کہ قرب کیا چیز ہے۔ اسی طرح ہم اُسے "اول" کہتے ہیں، لیکن ہم نہیں جانتے کہ اول سے کیا مراد ہے۔ اور "قرب" اور "اولیت" کے جو معنی ہمارے علم و فہم کے احاطہ میں آتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ اس سے منزہ (پاک) اور برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف اور مشاہدہ میں سما سکتا ہے حق تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے، اور حق تعالیٰ کے قرب اور معیت کی جس کیفیت کو بعض خودساختہ صوفیوں نے کشف کے طور پر دریافت ۶۲
کیا ہے اور وہ اسی کشفی معنی کے لحاظ سے حق سبحانہ کو قریب اور ساتھ (مع) سمجھتے ہیں وہ مستحسن نہیں ہے۔ انھوں نے فرقۂ مجسمہ (وہ فرقہ جو خدا کے لئے جسم ثابت کرتا ہے) کے مذہب میں قدم رکھ دیا ہے۔ اور جو کچھ بعض علما نے اس کی تاویل میں فرمایا ہے اور قرب سے مراد علمی قرب لے لیا ہے تو وہ اسی طرح پر ہے جیسا کہ انھوں نے ید کی تاویل قدرت سے کی ہے اور وجہ کی تاویل ذات سے کی ہے یہاں لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور ہم تو تاویل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس کی تاویل کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۳۶۔ منہا

اتباعِ رسول ﷺ | یہ فقیر کبھی تو نمازِ وتر شروعِ رات میں ادا کر لیتا تھا اور کبھی آخری رات میں ادا کرتا تھا۔ (کارکنانِ قضا و قدر) نے ایک رات مجھے دکھایا کہ نمازِ وتر کو دیر سے ادا کرنے کی صورت میں، جب نمازی سو جاتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ آخری رات میں وتر کی نماز ادا کرے گا تو اس کے نیک اعمال کو لکھنے والے فرشتے وتر کی نماز ادا کرنے کے وقت تک تمام رات نیکیاں اس کے نام پر لکھتے رہتے ہیں۔ پس جس قدر بھی وتر کی نماز کو تاخیر سے ادا کرے گا بہتر ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود اس فقیر کو تو وتر کی تعجیل اور تاخیر میں بجز سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی کے اور کوئی چیز منظور نہیں ہے۔ اور یہ فقیر کسی فضیلت کو بھی پیروی کے برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وتر کی نماز کبھی اول شب میں ادا فرمالیا کرتے تھے اور کبھی آخر شب میں۔ یہ فقیر اپنی سعادت اسی میں سمجھتا ہے کہ کسی بات میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا تشبہ حاصل ہو جائے۔ اگرچہ یہ تشبہ صرف صورت کے طور پر ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں کے سلسلے میں شب بیداری کی نیت اور اس جیسی باتوں کو دخل دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی کوتاہ اندیشی سے تعجب ہوتا ہے۔ ہم تو ہزار شب بیداریوں کو بھی پیرویٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نصف دانۂ جَو کے عوض نہ خریدیں۔

۶۱ ہم ماہِ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لئے بیٹھے۔ دوستوں کو

جمع کر کے ہم نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے سوا کوئی دوسری نیت نہ کریں۔ کیونکہ ہمارا تبتّل اور انقطاع (دنیا سے الگ تھلگ ہونا) کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی) ایک پیروی حاصل ہو جائے تو ہم سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے وسیلے کے بغیر ہمیں ہزار تبتل اور انقطاع قبول نہیں۔

آنرا کہ در سرائے نگاریست فارغ ست — از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

ترجمہ: موجود جس کے گھر میں ہو محبوب گلعذار — حاجت نہیں ہے کچھ اُسے باغ و بہار کی

اللہ سبحانہ ہمیں آپ کی کمال متابعت عطا فرمائے۔ آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر مکمل ترین اور کامل ترین درودیں اور سلام ہوں۔

۳۷۔ منہا

محبتِ ذاتی و محبتِ صفاتی کا فرق | ایک مرتبہ کی بات ہے کہ میں درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس فقیر نے اپنی اس محبت کے متعلق جو آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے غلاموں کے ساتھ نسبت رکھتا ہے کچھ اس طرح کہدیا کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس درجہ غالب ہو گئی ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو بھی میں اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ رَبِّ محمّد (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار) ہے۔ حاضرین میری اس بات سے حیرت میں رہ گئے۔ لیکن انھیں مخالفت کی مجال نہیں تھی۔ میری یہ بات حضرت رابعہ رح کی بات کے بالکل برعکس ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے آں سرورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں کہا تھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت نے اس طرح غلبہ پالیا ہے کہ آپ کی محبت کے لئے جگہ ہی نہیں رہی۔ یہ دونوں باتیں اگرچہ سُکر کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ انھوں نے وہ بات عین سُکر میں کہی تھی اور میں نے (سکر سے نکلنے کے بعد) ابتدائے صحو (ہوش آنے کے شروع) میں کہی ہے۔ ان کی بات مرتبۂ صفات میں ہے اور میری بات مرتبۂ ذات سے لوٹ آنے کے بعد ہے۔ کیونکہ مرتبۂ ذات تعالیٰ میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں ہے۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں۔ وہاں تو سراسر حیرت ہے یا جہالت ہے بلکہ اس مرتبہ میں آدمی ذوق کے ساتھ محبت کی نفی کرتا ہے۔ کسی طرح بھی اپنے کو خدا کی محبت کے لائق نہیں سمجھتا۔ محبت اور معرفت صرف مرتبۂ صفات میں ہوتی ہے (مرتبۂ ذات میں نہیں ہوتی) پس جسے لوگوں نے محبتِ ذاتی کہا ہے اس سے مراد صرف ذاتِ احدیت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے ساتھ ذات کے کچھ اعتبارات بھی شامل ہوں۔ لہذا حضرت رابعہؒ کی وہ محبت مرتبۂ صفات میں ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی صحیح بات دل میں ڈالنے والے ہیں اور درود وسلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آلِ اطہر پر۔ ۲۶ھ

۳۸۔ منہا

علمِ ظاہر پر علمِ باطن کی برتری اور آدابِ پیر و استاد۔

علم کی فضیلت، معلوم کے شرف اور رتبہ کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ معلوم

جسقدر اشرف ہوگا اس کا علم بھی اسی قدر بلند تر ہوگا۔ لہذا علمِ باطن جس کے ساتھ حضراتِ صوفیہ امتیاز رکھتے ہیں، علمِ ظاہر سے افضل ہوگا، جو علمائے ظواہر کا حصہ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ علمِ ظاہر کو علمِ حجامت اور حیاکت (بال بنانے اور کپڑا بننے کے علم) پر فضیلت ہوتی ہے۔ لہذا پیر کے آداب کی رعایت کہ جس سے علمِ باطن کو حاصل کرتے ہیں، اس استاد کے آداب کی رعایت سے کئی گنا زیادہ ہوگی جس سے کہ علمِ ظاہر کا استفادہ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح علمِ ظاہر کے استاد کے آداب کی رعایت، اس استاد کے آداب کی رعایت سے کئی گنا زیادہ ہے جس سے بال بنانا اور کپڑا بننا سیکھتے ہیں۔ اور یہی تفاوت علمِ ظاہری کی تمام اصناف میں جاری ہے چنانچہ علمِ کلام اور فقہ کا استاد علمِ نحو وصرف کے استاد سے زیادہ اولیٰ اور زیادہ مقدم ہے۔ اور نحو وصرف کا استاد، علومِ فلسفہ کے استاد سے زیادہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ علومِ فلسفہ، علومِ معتبرہ میں داخل نہیں ہیں۔ اس کے اکثر مسائل بے سود اور لاحاصل ہیں اور بہت کم مسائل ہیں جنھیں انھوں نے کتبِ اسلامیہ سے اخذ کیا ہے اور ان میں تصرفات کر ڈالے ہیں، وہ بھی جہلِ مرکب سے خالی نہیں ہیں۔ کیونکہ اس مقام میں عقل کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ نبوت کا انداز عقلِ نظری کے انداز سے بالکل الگ چیز ہے۔

جاننا چاہیے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے اوپر ہوتے ہیں بلکہ پیر کے حقوق کو دوسروں کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں کر

۶۵ حضرتِ حق سبحانہ کے انعامات اور اس کے رسول علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات کے احسانات کے بعد پیر کے حقوق کا درجہ ہے۔ بلکہ سب کے پیر حقیقی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ اگرچہ ظاہری پیدائش والدین سے ہوتی ہے، مگر معنوی پیدائش پیر ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ولادتِ صوری کی حیات تو چند روزہ ہے مگر ولادتِ معنوی کے لئے حیاتِ ابدی ہے۔ پیر ہی تو ہے جو اپنے قلب و روح سے معنوی گندگیوں کی صفائی کرتا ہے اور اس کے اندرونی حصوں کو پاک و صاف کرتا ہے اُن توجہات میں جو کہ بعض مریدوں کی نسبت واقع ہوتی ہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی باطنی آلائشوں کی تطہیر (پاک کرنے) میں ایک گونہ تلوّث (آلودگی) خود صاحبِ توجہ تک سرایت کر جاتا ہے اور اُسے ایک عرصے تک مکدر (گدلا) رکھتا ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلے سے لوگ خدائے عزوجل تک پہنچتے ہیں جو تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے بلند تر چیز ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلے سے نفسِ امارہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے خبیث واقع ہوا ہے، تزکیہ حاصل کر لیتا اور پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور اماّرگی سے اطمینان کے مقام تک پہنچتا ہے۔ اور جبلی (طبعی) کفر سے اسلام حقیقی تک رسائی پاتا ہے ؎

گر بگویم شرح ایں بیحد شود

(ترجمہ) جو اس کی شرح کروں بے حساب ہو جائے

لہذا اگر پیر کسی مرید کو قبول کر لے تو اُسے یہ اپنی سعادت سمجھنی چاہئے

اور اگر وہ کسی مرید کو رد کردے تو اسے اپنی بدبختی شمار کرنی چاہیئے۔" ہم اس چیز سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔" حق سبحانہ کی رضا کو پیر کی رضا کے پسِ پردہ رکھا گیا ہے۔ جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی رضامندیوں میں گم نہ کرے حق سبحانہ کی رضامندیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کی سب سے بڑی آفت پیر کو آزار دینے میں ہے۔ ہر لغزش جو اس کے بعد ہو اس کا تدارک کر لینا ممکن ہے، لیکن آزارِ پیر کا تدارک کسی چیز سے بھی نہیں ہو سکتا۔ آزارِ پیر مرید کے لئے شقاوت اور بدبختی کی بنیاد ہے۔" اس سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ"۔ اعتقاداتِ اسلامیہ میں بڑا خلل اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں
۶۶ بڑا فتور اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے۔ احوال اور وجدانیات، جن کا تعلق باطن سے ہوتا ہے، ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اگر باوجود پیر کی آزار رسانی کے احوال کا کوئی اثر باقی رہ جائے تو اسے استدراج (اور مہلت) میں سے شمار کرنا چاہیئے۔ کہ آخر میں وہ لامحالہ خرابی ہی لائے گا اور سوائے نقصان کے اور کوئی نتیجہ نہیں دیگا۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۳۹۔ منہا

لطائفِ ستہ کے مراتب | قلب کا تعلق عالمِ امر سے ہے، اسے عالمِ خلق کی وابستگی اور شیفتگی عطا کر کے عالمِ خلق کی طرف نیچے اتار آگیا۔ اور اس مضغۂ گوشت کے ساتھ جو بائیں پہلو میں ہوتا ہے خصوصی تعلق عطا کر دیا گیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی بادشاہ کو ایک بھنگن کے ساتھ عشق پیدا ہو جائے اور اس عشق کی وجہ سے بھنگن کے گھر میں نزول فرمائے۔ اور روح جو

قلب سے لطیف تر ہے اصحابِ یمین (دائیں جانب والوں) میں سے ہے۔ اور تین لطیفے جو لطیفۂ روح سے اوپر ہیں وہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُہَا (معاملات میں بہترین، درمیانی معاملہ ہوتا ہے) کے شرف سے بہرہ اندوز ہیں۔ لطیفہ جسقدر لطیف تر ہو اتنا ہی وہ وسط کے زیادہ مناسب ہے۔ لیکن اتنا ہے کہ لطیفۂ سِر اور لطیفۂ خفی، دونوں لطیفۂ اخفیٰ کی ہر دو جانب واقع ہیں۔ ان میں سے ایک دائیں طرف واقع ہے اور دوسرا بائیں طرف۔ اور لطیفۂ نفس، جو اس کے قریب واقع ہے اور دماغ سے تعلق رکھتا ہے اور لطیفۂ قلب کی ترقی اس پر منحصر ہے کہ وہ روح کے مقام میں اور روح سے اوپر کے مقام میں رسائی حاصل کرے۔ اسی طرح روح اور اس سے اوپر والے لطیفوں کی ترقی بھی اس پر منحصر ہے کہ وہ اوپر کے مقامات میں رسائی حاصل کرلیں لیکن یہ رسائی شروع میں احوال کے طریقہ پر حاصل ہوتی ہے اور آخر میں مقام کے طور پر۔ اور نفس کی ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ شروع میں بطور احوال اور آخر میں بطور مقام کے قلب کے مقام میں پہنچ جائے۔ اور آخر کار یہ چھ کے چھ لطیفے مقامِ اخفیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور سب کے سب ایک ساتھ مل کر عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور لطیفۂ قالب کو خالی چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن یہ پرواز بھی ابتدا میں بطور احوال کے ہوتی ہے اور آخر میں بطور مقام کے۔ اور اس وقت مقامِ فنا حاصل ہو جاتا ہے۔

۴۶ **موت سے پہلے موت کا مطلب** اور جسے صوفیہ نے موت پیش از موت (مرنے سے پہلے ہی مر جانا) کہا ہے اس سے مراد لطیفۂ قالب سے انہی چھ لطیفوں

کی جدائی ہے۔ اور ان لطائف کی جدائی کے بعد بھی قالب میں حس و حرکت کے باقی رہنے کا راز دوسرے مقامات پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اسے وہیں ان مقامات میں تلاش کرنا چاہئے۔ یہ ورق تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا یہاں تو اشاروں کنایوں ہی میں باتیں ہو سکتی ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام لطیفے ایک مقام میں جمع ہو جائیں اور وہاں سے پرواز کریں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قلب اور روح دونوں مل کر یہ کام کرتے ہیں اور کبھی تینوں لطیفے اور کبھی چاروں لطیفے۔ لیکن جو کچھ پہلے مذکور ہوا ہے (یعنی ان چھ لطیفوں کا مل کر پرواز کرنا) وہ زیادہ مکمل اور اتم صورت ہے۔ اور یہ ولایتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کے علاوہ جو صورت ہے وہ بھی ولایت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اور یہ چھ کے چھ لطیفے جسم (قالب) سے جدائی اختیار کر لینے، اور مقامِ قدس تک رسائی حاصل کر لینے اور اس کے رنگ میں رنگے جانے کے بعد، اگر پھر قالب کی طرف لوٹ آئیں اور وہ سب سوائے محبت کے تعلق کے اور تعلق پیدا کرلیں تو وہ قالب کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس اختلاط کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کرتے ہیں۔ اور مردہ کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ اسوقت وہ ایک خاص تجلی سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور ازسرِ نو حیات کو پیدا کرتے، اور بقا باللہ کے مقام میں راسخ القدم ہو جاتے اور خدائی اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اگر انھیں وہ خلعت بخش کر دنیا کی طرف واپس کر دیں تو معاملہ (نورِ قربت) سے تدلی

(نیچے اور دور ہو جانے) کے ساتھ انجام پائے گا (یعنی نزدیکی سے دوری میں جا پڑیں گے) اور تکمیل کا مقدمہ پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر دنیا کی طرف واپس نہ کریں اور دُنُوّ (قربت) کے بعد تَدَلِّیْ (پست و دور ہونا) حاصل نہ ہو سکے تو وہ اولیائے عزلت سے ہو جائے گا اور طالبین کی تربیت اور ناقص لوگوں کی تکمیل اُس کے ہاتھ سے نہیں ہو سکے گی۔ یہ ہے گفتگو اشارہ اور کنایہ کے انداز میں ہدایت (آغاز) اور نہایت (انجام) کی۔ لیکن ان منزلوں کو قطع کئے بغیر اس کو سمجھ لینا ناممکن ہے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کو لازم جانے۔

۴۰۔ منہا

65 **کلامِ الٰہی** حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ یہ کلام ایسا ہے کہ اس کے ٹکڑے اور اجزا نہیں کئے جا سکتے کیونکہ خاموشی اور گونگا پن اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔

کیا عجیب ہے کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی آن (ساعت) رہتی ہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات پر زمانہ جاری نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ایک آنِ واحد میں ایک بسیط (غیر مرکب) کلام کے سوا اور کیا واقع ہو سکتا ہے اور اُس کلامِ واحد سے، تعلقات کے متعدد ہونے کے اعتبار سے، کلام کی اس قدر قسمیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مثلاً اگر اس کا تعلق مامور (جسے حکم دیا جائے) کے ساتھ قائم ہو تو اس سے "اَمر" (حکم) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر منہی (جس سے ممانعت

فرمائی جائے) کے ساتھ ہو تو اس کا نام "نہی" (ممانعت) ہو جاتا ہے۔ اگر خبر دینے سے تعلق ہو تو "خبر" پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ اور آئندہ زمانے کے متعلق خبر دینا بہت سے لوگوں کو اشکال میں ڈال دیتا ہے اور انہیں دلالت کرنے والی چیز کا تقدم و تاخر مدلول (جس چیز پر دلالت کی جائے یعنی مراد) کے تقدم و تاخر کی طرف لیجاتا ہے۔ لیکن یہ کوئی اشکال نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ گذشتہ (ماضی) اور زمانہ آئندہ (مستقبل) دلالت کرنے والی چیزوں کی مخصوص صفات ہیں جو اُس آن (گھڑی) کے انبساط (بسیط ہونے) کے لحاظ سے پیدا ہو گئی ہیں لیکن مدلول (جس چیز پر دلالت کی جائے یعنی مراد) کے مرتبہ میں چونکہ وہ آن (گھڑی) خود اپنی حالت پر ہے اور کسی قسم کا انبساط اس میں پیدا نہیں ہوا ہے لہذا اس مرتبہ میں گذشتہ اور آئندہ زمانوں کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ علمائے معقول (منطق و فلسفہ) نے کہا ہے کہ ایک ہی حقیقت (ماہیت) کے لئے وجودِ خارجی کے اعتبار سے لوازمات علیحدہ ہوتے ہیں اور وجودِ ذہنی کے اعتبار سے صفات جدا ہوتی ہیں۔ جبکہ ایک ہی چیز میں وجود اور ثبوتیت (مرتبہ وجود) کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صفات اور لوازم کا متبائن اور متغائر ہونا (جدا جدا اور مختلف ہونا) جائز ہو سکتا ہے تو دال (دلالت کرنے والی چیز) اور مدلول (جس پر دلالت کی جائے) میں جو در حقیقت ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں (یہ تبائن و تغائر) بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی آن (گھڑی) ہے

تو یہ تعبیر کی تنگدامانی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ وہاں تو درحقیقت اس کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں تو زمانہ کی طرح وہ (یعنی آنِ واحد کہنا) بھی گراں ہے۔

دائرۂ امکان سے باہر ازل اور ابد متحد ہیں۔ | جاننا چاہیے کہ ممکن جب قربِ الٰہی جل سلطانہٗ کے مقامات میں دائرۂ امکان سے باہر قدم

م ۶۹ رکھتا ہے تو وہ ازل اور ابد کو متحد پاتا ہے۔ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے شبِ معراج میں، مقاماتِ عروج کے اندر حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں پایا تھا اور طوفانِ نوحؑ بھی موجود تھا۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور اہلِ بہشت کو بہشت میں دیکھا تھا۔ اور دوزخیوں کو دوزخ میں۔ اور بہشت میں داخل ہونے کے وقت سے پانچ سو سال کے بعد، جو (خدا کے ہاں کے حساب سے) آدھا دن ہوتا ہے' حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ جو دولت مند صحابہ میں سے تھے علیہم الرضوان' بہشت میں آئے تھے اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دیر میں آنے کی وجہ دریافت فرمائی تھی اور انھوں نے اپنا دشوار گذار راستوں اور آزمائشوں کا حال سنایا تھا۔ یہ سب کچھ ایک آن (گھڑی) ہی کے انداز میں مشہود ہوا تھا۔ اس میں گذشتہ اور آئندہ زمانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس فقیر کو بھی اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے سے بعض اوقات یہ حالت پیش آئی ہے۔ اور میں نے ملائکہ کو عینِ سجود کی حالت میں پایا ہے جو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو کر رہے تھے، کہ اب تک انھوں نے سجدہ سے سر بھی نہیں اٹھایا تھا۔ اور ملائکۂ علیین کو جنھیں سجدہ کا حکم

نہیں دیا گیا تھا اُن سجدہ کرنے والے فرشتوں سے الگ دیکھا کہ وہ اپنے مشہود (جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے) میں فنا اور غرق ہیں۔ اور وہ تمام حالات جن کا آخرت میں وعدہ فرمایا گیا ہے، وہ سب اسی آن (گھڑی) میں دکھائی دیئے۔ چونکہ اس واقعہ پر ایک مدت گذر گئی ہے۔ اس لئے میں نے احوالِ آخرت کی تفصیل بیان نہیں کی۔ کیونکہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں رہا ہے۔

معراجِ نبویؐ اور عروجِ اولیاء میں بڑا فرق ہے

لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ حالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور روح دونوں کو پیش آئے تھے اور جو مشاہدات ہوئے تھے وہ بصارت اور بصیرت دونوں سے ہوئے تھے۔ لیکن دوسرے لوگوں کو، جو (بہرحال) طفیلی ہیں، اگر یہ حالت بطور تبعیت کے پیش آتی ہے تو وہ صرف روح تک ہی محدود رہتی ہے اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہوا کرتی ہے۔ (جسم اور ظاہری آنکھوں کے ساتھ نہیں) ۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم ۔ این بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم

(ترجمہ) وہ ہے جس قافلے میں جانتا ہوں میں نہ پہنچوں گا ۔ یہی کافی ہے آوازِ جرس تو مجھ تک آتی ہے

علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

۴۱۔ منہا

منہ

تکوین، حقیقی صفات میں سے ہے

تکوین، واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی حقیقی صفات میں سے ایک مستقل صفت ہے۔ اشاعرہ (امام ابوالحسن اشعری کے پیرو)

تکوین کو صفاتِ اضافیہ میں سے شمار کرتے ہیں اور وہ قدرت اور ارادہ ہی کو ایجادِ عالم (دنیا کو وجود بخشنے) میں کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ قدرت اور ارادہ کے علاوہ تکوین ایک علیحدہ حقیقی صفت ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ "قدرت" کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فعل و ترک یعنی کسی کام کا کرنا اور اسے چھوڑ دینا، دونوں باتیں صحیح ہوں۔ اور "ارادہ" کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کی ان دونوں جہتوں، یعنی فعل اور ترک میں سے کسی ایک جہت کو مخصوص اور متعین کر لیا جائے۔ لہٰذا اس طرح قدرت کا درجہ، ارادہ کے درجہ پر مقدم ہوتا ہے۔ اور "تکوین" جسے ہم صفاتِ حقیقیہ میں سے سمجھتے ہیں، اس کا درجہ قدرت اور ارادہ کے درجوں کے بعد آتا ہے۔ اس صفت کا کام، اس خاص کردہ جہت کو وجود میں لے آنا ہے۔ پس قدرت تو فعل (کرنے) کی جہت کو درست قرار دینے والی صفت (یعنی مُصَحِّحِ فعل) ہے اور ارادہ، فعل (کرنے) کی جہت کو خاص کرنے والی صفت (مُخَصِّصِ فعل) ہے۔ اور تکوین، اُسے وجود میں لانے والی ہے۔ لہٰذا تکوین کی صفت کو ماننے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس کی وہی صورت ہے جو استطاعت مع الفعل کی ہوتی ہے جسے علماءِ اہلِ سنت نے بندوں میں ثابت کیا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ استطاعت ثبوتِ قدرت کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ بلکہ ارادہ کے تعلق کے بھی بعد ہوتی ہے۔ اور وجود بخشی کا تحقق (ثبوت) اسی استطاعت کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی فعل کی جہت کو ضروری قرار دیتی ہے اور اس کے بالمقابل ترک

کی جہت وہاں مفقود ہے۔ تکوین کی صفت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ وجود بخشی اس کے ساتھ بطورِ ایجاب یعنی واجب اور ضروری قرار دینے کے ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایجاب (ضروری قرار دینا) واجب تعالیٰ کی ذات میں کوئی ضرر نہیں دیتا کیونکہ اس کا ثبوت صفتِ قدرت اور صفتِ ارادہ کے متحقق ہو جانے کے بعد ہوتا ہے جبکہ قدرت کے معنی فعل (کرنے) اور ترک (چھوڑ دینے) کو صحت اور درستگی بخشنے کے ہیں۔ اور ارادہ کے معنی، قدرت کی کسی ایک جہت یعنی فعل یا ترک کی جہت کو خاص کر لینے کے ہیں۔ برخلاف اس کے جو حکمائے فلسفہ نے کہا ہے۔ اور انھوں نے شرطیۂ اولیٰ (صحتِ فعل یعنی اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے) کو واجب الصدق خیال کر لیا ہے اور شرطیۂ ثانیہ (صحتِ ترک یعنی اگر نہ چاہے تو نہیں پیدا کر سکتا) کو ممتنع الصدق قرار دے لیا ہے اور صفتِ ارادہ کی نفی کر دی ہے۔ اس قول کے مطابق ایجاب صریح لازم آتا ہے تَعَالَی اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بلند تر ہے)۔

وہ ایجاب جو ارادہ کے تعلق اور دو زیرِ قدرت جہتوں میں سے ایک جہت کی تخصیص کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ اختیار کو مستلزم (لازم کرنے والا) ہے بلکہ اختیار کی تاکید کرنے والا ہے۔ اس کی نفی کرنے والا نہیں ہے۔ اور صاحب فتوحات کا کشف بھی حکماء کی رائے کے موافق ہی واقع ہوا ہے۔ وہ قدرت کے سلسلہ میں شرطیۂ اولیٰ کو واجب الصدق سمجھتے

ہیں اور ثانی کو ممتنع الصدق ۔ یہ تو ایجاب (لازم قرار دینے) کو تسلیم کرلینا ہوا۔ اس کے نتیجہ میں ارادہ بالکل ہی بیکار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دو برابر کی جہتوں میں سے ایک جہت کو خاص کر لینا یہاں پایا ہی نہیں جاتا ۔ اور اگر صفتِ تکوین ہیں اس مضمون (یعنی ایجاب) کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ وہ اس ایجاب کے شائبہ سے مبرّا اور پاک ہے۔ یہ بہت ہی باریک بینی کا فرق ہے جس کو مجھ سے پہلے کسی نے بیان کرنے کی کم ہی سبقت کی ہے۔ علمائے ماتریدیہ نے بھی اگرچہ اس صفت (یعنی تکوین) کا اثبات فرمایا ہے لیکن وہ بھی اس باریکیٔ نظر کی طرف نہیں گئے ہیں۔ انھیں (ماتریدیہ کو) بلند درجہ سنتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام والتحیہ کی پیروی نے ہی .... تمام متکلمین میں اس معرفت کے ساتھ ممتاز بنا دیا ہے۔ اور یہ حقیر بھی انہی اکابر کے خوشہ چینوں میں سے ہے۔ اللہ سبحانہ ہمیں ان کے درست اور حق عقائد پر سید المرسلین علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے طفیل میں ثابت قدم رکھے۔

۴۲ ـ منہا

رؤیتِ باری تعالیٰ آخرت میں مؤمنوں کے لئے خدائے عز و جل کا دیدار ہونا، حق ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ سوائے اہل السنت والجماعت کے اسلامی فرقوں اور حکمائے فلاسفہ میں سے کوئی شخص بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے ان کے انکار کی وجہ، غائب کو حاضر پر قیاس کرلینا ہے، جو بہر حال فاسد

غلط ہے۔ نظر آنے والی ہستی جبکہ بے چون اور بے چگون ہوگی جو رؤیت (دیدار) اس سے متعلق ہوگی وہ بھی بے چون ہی ہوگی۔ اس پر ایمان لانا چاہیے مگر اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہونا چاہیے (کہ وہ کس طرح اور کیونکر ہوگی)۔ قدرت نے اس راز کو آج بھی خواص اولیا پر ظاہر فرمادیا ہے۔ (جو کچھ انھیں مشاہدہ ہوتا ہے، وہ) اگرچہ رؤیت (دیدار حق) نہیں ہے۔ لیکن وہ بے رؤیت بھی نہیں ہے۔ (یہ کیفیت ہوتی ہے کہ) گویا کہ تم ذاتِ حق تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ کل (قیامت کے دن) تمام مؤمن حق سبحانہ وتعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے ہی دیکھیں گے۔ لیکن ادراک نہیں کرسکیں گے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکینگی) وہ صرف دو چیزیں معلوم کرسکیں گے۔ ایک تو اس بات کا یقینی علم کہ وہ دیکھ رہے ہیں اور دوسرے وہ لذت جو رؤیت پر مرتب ہوتی ہے۔ ان دو چیزوں کے علاوہ باقی جسقدر رؤیت کے لوازم ہیں، وہ سب کے سب مفقود ہوں گے۔ یہ مسئلہ، مسائلِ کلام میں سب سے باریک تر اور مشکل تر ہے۔ عقل کا اندازا سے ثابت کرنے اور اس کی صورت کشی کرنے میں عاجز ہے۔ جو علماء اور صوفیہ، انبیاء کی پیروی کرنے والے ہیں انھوں نے اپنے نورِ فراست سے جو انوارِ نبوت ہی سے مقتبس (حاصل کردہ) ہے، اسے دریافت کیا ہے۔ ایسے ہی علمِ کلام کے اور بھی دوسرے بہت سے مسائل ہیں جن کو ثابت کرنے سے عقل عاجز اور حیران رہ جاتی ہے علمائے اہلسنت کو تو صرف نورِ فراست ہی حاصل ہے لیکن صوفیہ کو نورِ فراست تو حاصل

ہے ہی مگر اس کے ساتھ ہی ان کو کشف اور شہود بھی حاصل ہے۔

کشف اور فراست میں فرق کشف اور فراست کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ حدسیات (اندازہ اور تخمینہ سے متعلق چیزوں) اور حسیات میں ہے۔ فراست، نظریات (دلیل سے تعلق رکھنے والی چیزوں) کو حدسیات بنا دیتی ہے اور کشف انھیں حسیات بنا دیتا ہے۔ وہ تمام مسائل جن کے اہل سنت قائل ہیں اور ان کے مخالفین جنھوں نے اپنے اوپر عقلی طریقہ کو لازم کر رکھا ہے، ان مسائل کے منکر ہیں، وہ سب اسی قسم کے ہیں کہ وہ سب نورِ فراست سے معلوم ہوئے ہیں اور کشفِ صحیح سے مشاہدہ میں آگئے ہیں۔ اگر ان مسائل کو بیان کرنے میں کہیں کوئی وضاحت کی جائے تو اس سے مقصود محض اس کی صورت کشی اور تنبیہ ہوتی ہے۔ نظر (فکر) اور دلیل کے ساتھ ان کو ثابت کرنا نہیں ہوتا، کیونکہ عقل کی فکر و نظر ان کے اثبات اور صورت کشی میں محض نابینا ہے۔ ان علماء پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے جو ان مسائل کے سلسلے میں خود کو مقامِ استدلال میں لا کھڑا کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ دلائل سے ان کا اثبات کر دیں اور مخالفین پر حجت تمام کر دیں۔ مگر یہ بات میسر نہیں آتی اور تکمیل کو بھی نہیں پہنچتی۔ مخالفین یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جس طرح ان کے استدلالات کھوٹے، کمزور اور ناقص ہیں اسی طرح ان کے مسائل بھی غلط، کمزور اور ناقص ہوں گے۔ مثلاً علمائے اہلِ سنت نے استطاعت مع الفعل (فعل کے ساتھ طاقت بھی رکھنا) کا اثبات کیا ہے۔ یہ مسئلہ

اُن حق اور صحیح مسائل میں سے ہے جو نورِ فراست اور کشفِ صحیح سے معلوم ہوئے ہیں۔ لیکن جو دلائل وہ اس کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں وہ بالکل ہی ناکارہ اور ناقص ہیں۔ اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل وہ پیش کرتے ہیں، ان میں سب سے قوی دلیل دو زمانوں میں اعراض کا باقی نہ رہنا ہے۔ کیونکہ اگر عرض باقی رہ جاتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ عرض خود عرض ہی کے ساتھ قیام پذیر ہو۔ حالانکہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اور چونکہ مخالفین نے اس دلیل کو ناقص اور ناکارہ سمجھا ہے۔ لہذا انھوں نے یقین کر لیا کہ خود وہ مسئلہ بھی ایسا ہی ناقص ہے۔ انھوں نے یہ بات نہیں سمجھی کہ اس مسئلہ میں اور اس جیسے دوسرے مسائل میں ان کا رہنما نورِ فراست ہے جو انوارِ نبوت سے مقتبس (لیا گیا) ہے۔ لیکن یہ خود ہماری کوتاہی ہے کہ ہم حدسی (اندازہ و تخمینہ سے متعلق چیزوں) اور بدیہی باتوں کو مخالفین کی نگاہ میں نظری بنا کر پیش کرتے ہیں اور تکلفات کے ساتھ ان کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ ہماری حدسی اور بدیہی چیزیں مخالفین پر حجت نہیں ہوں گی، تو نہ ہوا کریں۔ ہم پر سوائے (واضح طور پر) بتا دینے اور تبلیغ کر دینے کے اور کوئی چیز فرض و لازم نہیں کی گئی۔ جو آدمی مسلمانوں جیسا حسنِ عقیدت رکھتا ہے وہ بے اختیار اسے قبول کر لے گا اور جو شخص بے نصیب واقع ہوا ہے سوائے انکار کے اس میں اور کسی بات کا اضافہ نہیں ہو سکے گا۔

ماتریدیہ کی فضیلت علمائے اہلِ سنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی[1] (رحمۃ اللہ علیہ) کا طریقہ کس قدر موزوں اور مناسب ہے کہ انھوں نے صرف مقاصد کو بیان کرنے پر اکتفا فرمایا ہے۔ فلسفیانہ باریک بینیوں سے انھوں نے یکسوئی ہی اختیار فرمائی ہے۔ فلسفیانہ انداز پر نظر و استدلال کا طریقہ، علمائے اہلِ سنت میں شیخ ابو الحسن اشعری[2] (رحمۃ اللہ علیہ) سے شروع ہوا ہے۔ ان کی یہ خواہش رہی ہے کہ اہل سنت کے اعتقادات کو فلسفیانہ استدلال سے تکمیل تک پہنچا دیں۔ اور یہ بات بڑی دشوار ہے اور خصوصیت کے ساتھ مخالفین کو دلیر بناتا ہے کہ وہ اکابرِ دین پر زبانِ طعن دراز کریں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ سلف کے طریقہ کو بھی چھوڑ دینا ہے کہ اللہ سبحانہ ہمیں اہلِ حق کے معتقدات پر، جو انوارِ نبوت سے مستفاد ہیں، ثابت قدم رکھے علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا۔

---

[1] شیخ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الحنفی المتکلم الماتریدی السمرقندیؒ فرقۂ ماتریدیہ کے سربراہ تھے۔ ماتریدی فرقہ سنی راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو معتزلہ اور دیگر آزاد خیال فرقوں کے مقابلے میں وجود میں آیا تھا۔ شیخ ابو منصورؒ، الاشعری کے ہمعصر تھے ۳۳۳ھ میں سمرقند میں وفات پائی۔ آپ سے فقہ حنفی کے لوگ زیادہ متاثر ہوئے۔

[2] امام ابو الحسن علی اشعریؒ فرقۂ اشاعرہ کے بانی اور علمِ کلام کے موجد تھے۔ ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ ۴۰ سال کی عمر تک آپ فرقۂ معتزلہ کے سرگرم رکن رہے۔ بعد میں شافعی فقہ کی حدود میں رہ کر آپ نے دینی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مستحکم کیا۔ تقریباً تین سو کتابیں لکھیں۔ آپ کے ماننے والوں میں بڑے بڑے امام پیدا ہوئے۔ مثلاً باقلانی، ابن فورق، اسفرائنی، القشیری، جوینی، اور امام غزالی ہیں۔ ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا وصال ہوا۔

۴۳ - منہا

یقین کے درجہ کا حصول بمصداق آیہ کریمہ "وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" (اور بہر حال اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کردیا کرو)۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا اظہار کرتا ہوں کہ اس فقیر کو علمِ کلام سے تعلق رکھنے والے اعتقادات کی نسبت جو اہلِ حق یعنی اہل سنت والجماعت کی رایوں کے موافق واقع ہوئے ہیں ایسا یقین حاصل ہو چکا ہے کہ اس کے مقابلہ میں وہ یقین بھی جو مجھے ...... واضح ترین بدیہیات کی نسبت حاصل ہے، ظنیات بلکہ وہمیات کا حکم رکھتا ہے۔ مثلاً جب میں اس یقین کا جو مجھے علمِ کلام کے ہر ایک مسئلہ کی نسبت حاصل ہے اس یقین کے ساتھ موازنہ کرتا ہوں جو مجھے وجودِ آفتاب کی نسبت حاصل ہے تو پہلے یقین کی بہ نسبت اس دوسرے یقین کے لئے، یقین کا لفظ بولتے ہوئے بھی مجھے افسوس ہوتا ہے۔ اربابِ عقول اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں، بلکہ یقین ہے کہ وہ ہرگز قبول نہیں کرینگے۔ کیونکہ یہ مبحث عقل کے اندازِ نظر سے بالکل الگ ہے۔ عقل ظاہر بیں کے لئے اس مقام سے سوائے انکار کرنے کے اور کوئی چارا ہی نہیں ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یقین کرنا قلب کا کام ہے۔ اور وہ یقین جو قلب کو مثلاً آفتاب کے وجود کے متعلق حاصل ہوتا ہے وہ حواس کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ حواس جاسوسوں کا حکم رکھتے ہیں (جو اِدھر اُدھر سے معلومات حاصل کرکے قلب تک پہنچاتے ہیں) اور وہ یقین جو علم کلام کے کسی ایک مسئلہ کے متعلق قلب کو

حاصل ہوتا ہے وہ قطعاً براہِ راست اور بغیر کسی حواس کے توسط کے ہے جسے اس نے بطور الہام کے بارگاہِ وہاب جلّ وعلاً سے بغیر کسی واسطے کے خود حاصل اور اخذ کیا ہے۔ لہٰذا یقینِ اول کا مرتبہ علم الیقین کا ہوتا ہے اور علمِ ثانی کا مرتبہ عین الیقین کا ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ترجمہ:۔ دیکھے ہوتے کے مثل ہو کیسے سُنا ہوا

۴۴۔ منہا

ف ۷۵

فنا بِرارادہ | جب طالبِ (حقیقت) کے سینہ کا میدان، محض فضلِ خداوندی جل سلطانہ سے تمام مرادوں اور آرزوؤں سے خالی ہو جاتا ہے اور اُسے حق سبحانہ کے سوا کسی دوسری چیز کی طلب نہیں رہتی، تو اُس وقت اُسے وہ کچھ میسر آجاتا ہے جو اس کی پیدائش سے مقصود تھا اور وہ بندگی کی حقیقت کو بجا لاتا ہے۔ اس کے بعد اگر قدرت کا منشا ہوتا ہے تو اسے ناقص لوگوں کی تربیت کے لئے (اس عالم کی طرف) واپس کر دیتے ہیں اور (حق تعالیٰ) اپنے پاس سے اُسے ایک ارادہ عنایت کرتے اور ایک اختیار عطا فرماتے ہیں کہ وہ قولی اور فعلی تصرفات میں مختار اور مُجاز (اجازت یافتہ) ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک اذن یافتہ غلام (جسے اس کے آقا نے تصرفات کرنے کا حق عطا فرما دیا ہو) مختار اور اجازت یافتہ ہوتا ہے۔ اس مقام میں جو کہ خدائی اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ

ہو جانے کا مقام ہے، صاحبِ ارادہ جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے لئے چاہتا ہے اور دوسروں کی مصلحتیں ہی اس کے پیشِ نظر رہتی ہیں، نہ کہ اپنے نفس کی مصلحتیں۔ (بعینہ اسی طرح) جیسا کہ واجب تعالیٰ کے ارادہ کی حالت ہوتی ہے۔ بلکہ بلند ترین مثال ہونا تو اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ثابت ہے۔

اور قطعاً ضروری نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں کہ یہ صاحبِ ارادہ جو کچھ چاہے وہ وقوع میں بھی آجائے۔ کیونکہ ایسا سمجھنا شرک ہے اور بندگی اس کو برداشت نہیں کرسکتی۔ حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی فرمادیا ہے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (یعنی آپ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دے سکتے جن کو آپ چاہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے (القصص)۔)

تو جب سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارادہ توقف میں پڑ سکتا ہے تو دوسروں کی وہاں کیا مجال ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس صاحبِ ارادہ کی تمام مرادیں (جن کا وہ ارادہ کرے) حق تعالیٰ و تقدس کی مرضی کے مطابق ہوں۔ ورنہ آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے بعض اقوال و افعال پر حق سبحانہ کی طرف سے اعتراض نازل نہ ہوتا۔ جیسا کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے، مَا كَانَ لِنَبِيٍّ (الآیۃ) (نبیؐ کے لئے یہ مناسب نہیں تھا) اور اس سے معافی عطا فرمانے کی بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی جب کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ (خدا نے آپؐ کو معاف فرمادیا) کیونکہ معافی کا تصور تو تقصیرات اور کوتاہیوں ہی میں ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ حق جل وعلا کی تمام مرادات بھی یعنی جن کا وہ

ارادہ فرمائے حق سبحانہ کی مرضیات نہیں ہوا کرتیں۔ مثلاً کفر اور معاصی (کہ ان کا ارادہ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں، ورنہ تو ان کا وجود ہو سکتا اور نہ ہی بندوں سے ان کا صدور ہو سکتا، لیکن یہ چیزیں خود حق تعالیٰ کی مرضیات میں سے نہیں ہوتیں وَلَا یَرْضیٰ لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کفر و انکار کو پسند نہیں فرماتا) لہذا جبکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی مرضیات کے خلاف ہو سکتا ہے تو صاحب ارادہ بندہ کا ارادہ بھی مرضیٔ حق سبحانہ کے خلاف ہو سکتا ہے۔ مترجم)۔

۴۵ ۔ منہا

کلام اللہ کی رہنمائی اس کام (کار سلوک) میں میرا رہنما کلام اللہ ہے اور میرا پیر (شیخ) اس معاملہ میں قرآن مجید ہے۔ اگر قرآن کریم کی رہنمائی نہ ہوتی تو معبودِ برحق کی عبادت کی جانب کوئی راہ بھی نہ کھل سکتی۔ اس راہ میں ہر لطیف اور لطیف تر چیز "اَنَا اللہُ" (میں ہی خدا ہوں) کی صدا لگاتی ہے اور راستے پر چلنے والے کو اپنی پرستش میں گرفتار کر لیتی ہے۔ اگر وہ چیز "چوں" ہے تو اپنے آپ کو "بے چوں ہونے" کی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔ اور اگر "تشبیہ" ہے تو اپنے آپ کو "تنزیہہ" کی ہیئت میں جلوہ گر بناتی ہے۔ یہاں امکان، وجوب کے ساتھ ملا ہوا ہے اور حدوث (حادث ہونا) قِدَم (قدیم ہونے) کے ساتھ خلط ملط ہے۔ اگر باطل ہے تو وہ حق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر گمراہی ہے تو وہ ہدایت کی شکل میں نمایاں ہے۔ بیچارہ سالک ایک اندھے مسافر کا نمونہ بن جاتا ہے

کہ ہر ایک کی طرف ھٰذَا رَبِّیْ (یہی میرا رب ہے) کہتا ہوا متوجہ ہو جاتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ خود اپنی تعریف خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا) کے الفاظ سے فرماتا ہے اور اپنی شان میں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (مشرق اور مغرب کا پروردگار) فرماتا ہے۔ عروج کے وقت جب ان صفات کو ان خیالی معبودوں پر پیش کیا گیا تو بے اختیار ان سب نے (ان اوصاف پر منطبق ہونے سے) انکار کر دیا اور وہ ختم ہوتے چلے گئے۔ لامحالہ اس فقیر نے لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (میں غروب ہو جانے اور غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا) کہتے ہوئے ان سب (خیالی معبودوں) سے منہ موڑا۔ اور ذات واجب الوجود کے سوا کسی کو بھی اپنا قبلۂ توجہ نہیں بنایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (اسی اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور اگر خدا ہمیں ہدایت نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے بیشک ہمارے پروردگار کے تمام رسول حق بات لیکر آچکے ہیں۔)

۴۶ ـ منہا

حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے عقیدت

ہم چار آدمی اپنے خواجہ (حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ) کی خدمت میں ایسے تھے کہ لوگوں کی نگاہوں میں باقی تمام دوستوں میں ہمیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ حضرت خواجہ (شیخ اور پیر صاحب) کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا

اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ بھی جدا تھا۔ یہ فقیر تو یقین کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور یکجائی اور اس طرح کی تربیت اور ہدایت آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے زمانہ کے بعد سے، کبھی بھی کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے شرفِ صحبت سے مشرف نہیں ہو سکا، تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ اور ہمارے حضرتِ خواجہ ان دوسرے تین دوستوں کے متعلق یوں فرمایا کرتے تھے کہ "فلاں آدمی تو مجھے صاحبِ تکمیل سمجھتا ہے لیکن صاحبِ ارشاد نہیں سمجھتا۔ اور اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہوتا ہے"۔ اور فلاں آدمی ہم سے کوئی سروکار نہیں رکھتا"۔ اور اس تیسرے کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "وہ ہماری نسبت انکار رکھتا ہے"۔ چنانچہ ہم میں سے ہر ایک کو اس کے اعتقاد کے اندازہ کے مطابق ہی حصہ ملا۔

شیخ کی محبت میں غلو نہیں کرنا چاہیے۔ جاننا چاہیے کہ مرید کا اپنے پیر کے افضل اور اکمل ہونے کے متعلق اعتقاد، محبت کے ثمرات اور اس مناسبت کے نتائج میں سے ہوتا ہے جو افادہ (فائدہ پہنچانے) اور استفادہ (فائدہ حاصل کرنے) کا سبب بنتی ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنے پیر کو ان حضرات پر فضیلت نہ دے جن کی بزرگی اور عظمت شریعت میں مقرر ہو چکی ہے۔ کیونکہ یہ چیز محبت میں افراط کا باعث

ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات مذموم ہے۔ فرقۂ شیعہ کی خرابی اہلِ بیت کے ساتھ اسی افراطِ محبت کی وجہ سے ہے، اور نصارٰی نے بھی اسی افراطِ محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا ہے اور اس کی وجہ سے ابدی خسارہ میں پڑ گئے ہیں۔ لیکن اگر ان حضرات کے علاوہ (جن کی فضیلت شریعت سے ثابت ہے) دوسرے لوگوں پر (اپنے شیخ کو) فضیلت دے تو یہ جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب ہے۔ اور یہ فضیلت دینا کچھ مرید کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر مرید صاحبِ استعداد ہے تو بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ اس کے وسیلے سے پیر کے کمالات کا اکتساب کرتا ہے۔ اگر یہ فضیلت دینا خود مرید کے اپنے اختیار سے ہو اور وہ تکلف کے ساتھ اس اعتقاد کو پیدا کرے تو یہ جائز نہیں ہے اور نہ کوئی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔

۴۷

۴۷۔ منہا

ذکر نفی و اثبات | کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ نفی و اثبات میں سب سے بلند ترین درجہ یہ ہے کہ جو کچھ نظر و عقل اور کشف و مشاہدہ میں آئے اگرچہ وہ تنزیہہ محض اور بے کیف محض ہی ہو، ان سب کو "لا" (یعنی نفی) کے تحت میں داخل کیا جائے اور اثبات کی جانب میں کلمۂ مستثنیٰ (اللہ) کو قلب کی موافقت کے ساتھ زبان سے بولنے کے سوا اور کسی چیز کا اس میں حصہ نہ ہو۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

ترجمہ

اٹھالے جال عنقا کب کسی کے ہاتھ آتا ہے
لگا تا ہے یہاں جو جال خالی ہاتھ جاتا ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازمی جانے۔ آپ پر اور آپ کی آل پر درود و سلام نازل ہوں)۔

۴۸۔ منہا

حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدی

حقیقتِ قرآنی اور حقیقتِ کعبہ ربانی کا درجہ حقیقتِ محمدی علیٰ مظہرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے اوپر ہے۔ لہٰذا حقیقتِ قرآنی، حقیقتِ محمدی کی امام اور پیشوا ہوئی۔ اور حقیقتِ کعبہ ربانی، حقیقتِ محمدی کی مسجود ہوئی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حقیقتِ کعبہ ربانی کا درجہ، حقیقتِ قرآنی سے اوپر ہے۔ وہاں بالکل ہی بے صفتی اور بے رنگی کی کیفیت ہے۔ اور اس مقام میں شیونات اور اعتبارات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اس بارگاہ میں تو تنزیہہ اور تقدیس کی بھی کوئی مجال نہیں ہے۔

ع آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان ست

ترجمہ وہاں ہر چیز ایسی ہے کہ بالاتر بیاں ہے

یہ ایسی معرفت ہے کہ اہل اللہ میں سے کسی نے بھی اس کے متعلق لب کشائی نہیں فرمائی۔ اور اشارہ و کنایہ میں بھی اس کے متعلق کسی نے کوئی بات نہیں کہی۔ اس فقیر کو اس معرفتِ عظمیٰ کے ساتھ مشرف

فرمایا گیا اور ابنائے جنس کے درمیان ممتاز فرمایا گیا۔ یہ سب کچھ اللہ کے حبیبؐ کے صدقے اور اللہ کے رسولؐ کی برکت سے ہوا۔ آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر فاضل تر رحمتیں اور کامل تر سلامتیاں نازل ہوں۔

حقیقتِ کعبہ کے مقام میں حقیقتِ محمدی کا عروج

جاننا چاہیے کہ جس طرح کعبہ کی صورت چیزوں کی صورتوں کی مسجود ہے۔ اسی طرح حقیقتِ کعبہ اُن چیزوں کی حقیقتوں کی مسجود ہے۔ اور میں ایک عجیب بات کہتا ہوں، جو اس سے پہلے نہ کسی نے سنی اور نہ کسی بتانے والے نے بتائی، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے صرف مجھے بتائی اور صرف مجھ پر الہام فرمائی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ آں سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات کے زمانۂ رحلت سے ایک ہزار اور چند سال بعد ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ حقیقتِ محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقتِ کعبہ کے مقام میں (رسائی پا کر اس کے ساتھ) متحد ہو جائے گی۔ اس وقت حقیقتِ محمدی کا نام حقیقتِ احمدی ہو جائے گا۔ اور وہ ذاتِ "احد" جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی۔ اور دونوں مبارک نام (محمد واحمد) اس مسمّیٰ (مجموعۂ حقیقتِ محمدی وحقیقتِ کعبہ) میں متحقق ہو جائیں گے۔ اور حقیقتِ محمدی کا پہلا مقام (جہاں وہ اس سے پہلے تھی) خالی رہ جائے گا اور وہ اس وقت تک خالی ہی رہے گا یہانتک کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا

(علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں۔ اور نزول فرمانے کے بعد شریعتِ محمدی علیہا الصلوات والتسلیمات کے مطابق عمل فرمائیں۔ اس وقت حقیقتِ عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ محمدی کے اس مقام میں جو خالی چلا آرہا تھا استقرار پائے گی۔ (یعنی قیام پذیر ہو جائے گی۔)

۴۹۔ منہا

کلمۂ طیبہ کی فضیلت | اگر کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ ہوتا تو بارگاہِ قدس خداوندی جل سلطانہ کی طرف راہ کون دکھاتا؟ اور توحید کے چہرے سے نقاب کون اُٹھاتا؟ اور جنتوں کے دروازے کون کھولتا؟ صفاتِ بشریہ کے پہاڑ اس "لا" کے تیشہ کو کام میں لا کر ہی کھودے جاتے ہیں۔ اور تعلقات کی بے شمار دنیائیں اسی نفی کے تکرار کی برکت سے منتفی ہوتی ہیں۔ اور اسی کلمۂ طیبہ کا جزو نفی یعنی لا، باطل معبودوں کو ختم کرتا ہے اور اس کا جزو اثبات معبودِ برحق جل شانہ کو
ص ۸۰ ثابت کرتا ہے۔ اور سالک اسی کلمہ کی مدد سے امکانی درجات کو قطع کرتا ہے اور عارف اسی کلمہ کی برکت سے وجوبی معراجوں کی طرف ترقی کرتا ہے۔ یہی کلمہ تو ہے جو تجلیاتِ افعال سے (آدمی کو) تجلیاتِ صفات تک لیجاتا اور تجلیاتِ صفات سے تجلیاتِ ذات تک پہنچاتا ہے ؎

تا بجاروبِ "لا" نروبی راہ — نرسی در سرائے "اِلَّا اللّٰہ"

(ترجمہ) لا کی جھاڑو سے نہ ہو راہ کی صفائی جب تک — کس طرح پہنچے گا تو خانۂ اِلَّا اللّٰہ تک

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

(اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے۔ آپ پر اور آپ کی آل پر مکمل ترین اور کامل ترین درود یں اور سلام ہوں۔)

۵۰۔ منہا

معوّذتین سے متعلق کشف حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ معوّذتین (قل اعوذ برب الفلق۔ اور۔ قل اعوذ برب النّاس) کو فرض نماز میں نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سورتوں کے قرآن ہونے میں جمہور کے مخالف ہیں۔ لہٰذا نماز میں جتنی قرارت فرض ہے، اُس میں ان دونوں سورتوں کی قرارت کو محسوب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ فقیر بھی ان دونوں سورتوں کو نہیں پڑھا کرتا تھا۔ یہانتک کہ ایک دن، کارکنانِ قضا وقدر نے اس فقیر پر ظاہر کیا کہ گویا معوذتین حاضر ہیں، اور حضرت مخدوم سے فرضِ قرارت میں اُن کی قرارت سے منع کردینے کے بارے میں شکایت کررہی ہیں، کہ ہمیں قرآن سے کیوں نکال دیا ہے۔ اسی وقت سے میں اس ممانعت سے باز آگیا اور فرض قرارت میں میں نے ان کی قرارت شروع کردی۔ ہر مرتبہ جب میں ان دونوں سورۂ کریمہ کو فرض قرارت میں پڑھتا ہوں تو عجیب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں۔

اور حق یہی ہے کہ جب علمِ شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو ان دونوں سورتوں کو فرضِ قراءت میں پڑھنے سے روکنے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تو اُس اجماعی حکم کی قطعیت میں کہ "جو کچھ دفتین کے درمیان موجود ہے وہ سب قرآن ہے"۔ ایک طرح سے شبہ ڈالنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ (سورۂ فاتحہ کے بعد نماز میں) کسی سورت کو ملانا (فرض نہیں ہے۔ بلکہ) واجبات میں سے ہے، جو بہر حال ظنی ہے۔ پھر ان دو سورتوں کی قراءت سے منع کرنا اگرچہ ان کا قرآن ہونا ظنی بھی کیوں نہ ہو، یعنی بفرضِ محال (کیونکہ حقیقت تو یہی ہے کہ یہ دونوں سورتیں ظنی نہیں ہیں) پھر بھی اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کی قراءت تو اسی طرح کی جاتی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ لہ ان کو ملاتے ہیں (اور قراءت کا فریضہ تو سورۂ فاتحہ سے ادا ہو چکا ہے پس سورہ کا ملانا بھی ظنی ہی ہوا)۔ فَالتَّعَجُّبُ مِنَ الشَّيْخِ الْمُقْتَدٰى مِثْلُ هٰذَا الْكَلَامِ كُلَّ الْعَجَبِ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْبَشَرِ وَآلِهِ الْأَطْهَرِ۔ (لہذا بہت ہی تعجب ہے کہ ایک شیخ مقتدا سے اس جیسی بات کیونکر ادا ہوئی۔ اور درود و سلام ہو حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آلِ اطہر پر)۔

لہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ ۷۲۵ھ میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی غرض سے دہلی تشریف لائے لیکن اس وقت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا وصال ہو چکا تھا اس لئے شیخ نجیب الدین فردوسی کے مرید ہو گئے پھر بہار تشریف لے آئے۔ عرصہ دراز تک ریاضت و عبادت میں مشغول رہ کر ۷۸۲ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کے ملفوظات و مکتوبات گنجینۂ معارف و حقائق ہیں۔

۵۱ - منہا

تقلید و اتباع کی فضیلت صوفیہ کے طریق سے بلکہ ملتِ اسلام سے بڑا حصہ اسی شخص کیلئے ہے جس میں تقلید کی فطرت اور پیروی کی عادت سب سے زیادہ ہے۔ یہاں تو کام کا دار و مدار صرف تقلید پر اور اس مقام میں معاملے کا انحصار محض پیروی پر ہے۔ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید بلند ترین درجوں تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اصفیا کی پیروی بڑی بڑی معراجوں تک لیجاتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں چونکہ یہ فطرت سب سے زیادہ پائی جاتی تھی تو بے توقف تصدیقِ نبوت کی سعادت میں انھوں نے سبقت فرمائی اور صدیقوں کے رئیس بنے۔ اور ابوجہل لعین چونکہ تقلید اور پیروی کی استعداد سب سے کمتر رکھتا تھا، لہٰذا اس سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکا اور ملعونوں کا پیشوا بنا۔

مرید جس کمال کو بھی حاصل کرتا ہے وہ اپنے پیر کی تقلید ہی سے حاصل کرتا ہے۔ پیر کی غلطی بھی مرید کے صواب (درست) سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام کے سہو و نسیان کی آرزو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ سَہْوَ مُحَمَّدٍ (یعنی اے کاش میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہو بن جاتا) اور حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْنٌ (بلال کا سین خدائے تعالیٰ

کے نزدیک شین ہے) چونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجمی (حبشی) تھے، اس لئے وہ اذان میں سین مہملہ کے ساتھ اَسْہَدُ کہا کرتے تھے اور خدائے عز و جل وعلا کے نزدیک اُن کا اَسْہَدُ کہنا اَشْہَدُ ہی تھا لہٰذا حضرت بلالؓ کی یہ غلطی دوسروں کے صواب سے بہتر ہوگی۔ ع

براَشْہَدِ تو خندہ زند اَسْہَدِ بلالؓ

ترجمہ اشہد پہ تیرے ہنستا ہے اسہد بلالؓ کا

میں نے ایک عزیز سے سنا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اور اتفاقاً ان مشائخ نے ان میں سے بعض دعاؤں میں کوئی غلطی کردی ہے اور اسے محرّف کر کے (بگاڑ کر) پڑھ دیا ہے تو اگر اُن کے پیروکار اِن دعاؤں کو اسی تحریف کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کے ساتھ اُن کے مشائخ نے پڑھ دیا تھا، تو وہ دعائیں تاثیر بخشتی ہیں اور اگر انھیں درست کر کے پڑھتے ہیں تو وہ تاثیر سے خالی رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انبیاء کی تقلید اور اپنے اولیاء کی پیروی پر اپنے حبیب علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ متابعیہم الصلوات والتسلیمات کی عظمت و حرمت کے طفیل ثابت قدم رکھے۔

۵۲۔ منہا

تجلّیٔ ذات کے اعتبار سے انبیاء کے درجات کا تفاوت

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام رسولوں کے سردار (سید المرسلین) ہیں علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ باقی تمام انسانوں کا کیا سوال ہے۔

اور حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما الصلوات والتسلیمات والتحیات کو، اگرچہ
تجلیٔ ذات کے مقام سے، بقدرِ مرتبہ و استعداد، حصہ حاصل ہے۔ چنانچہ
حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:
وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي (اور میں نے تمہیں اپنے نفس کے لئے منتخب فرمالیا)
یعنی اپنی ذات کے لئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو "روح اللہ" اور
"اس کا کلمہ" ہیں اور ان کو آں سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ
بہت زیادہ مناسبت ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام
باوجودیکہ وہ تجلیٔ صفات کے مقام میں ہیں، لیکن بڑے تیز نظر ہیں، وہی
خاص شان جو ہمارے پیغمبر کو تجلیٔ ذات کے مقام میں میسر ہوئی ہے،
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تجلیٔ صفات کے مقام میں حاصل ہوئی ہے۔
باوجود اس کے کہ دونوں میں استعداد کا تفاوت ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے
وہ حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہو جاتے ہیں۔
اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے افضل ہیں اور
ان کا رتبہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے اوپر ہے۔ وہ تیز بصر اور ناقد نظر
ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور م۱۳
حضرت نوح (علیہ السلام) کا مقام اگرچہ صفات کے مقام میں حضرت ابراہیم
(علیہ السلام) سے بہت اونچا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اُس
مقام میں ایک خاص شان اور تیزیٔ نظر حاصل ہے جو کسی دوسرے کو نصیب
نہیں ہے۔ لیکن ان کی اولادِ کرام کو بھی اس مقام میں بوجہ پیروی کرنے اور

اولاد ہونے کے حصہ ملا ہے۔ اور حضرت آدم (علیہ السلام) کا درجہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد ہے۔ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء (علیہم السلام) پر درودیں اور سلام ہوں۔ یہ ان معلومات میں سے ہے جو مجھے میرے رب نے سکھائی ہیں اور جن کا اس نے مجھ پر اپنے فضل و کرم سے الہام فرمایا ہے۔ اور پورا علم تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

۵۳ ۔ منہا

سیرِ اجمالی کا درجہ سیرِ تفصیلی سے بلند ہے

جس سالک کی سیر، اسماء وصفات کی تفصیل میں واقع ہو گئی، اس کے لئے بارگاہِ ذات جل سلطانہ تک رسائی کی راہ بند ہو گئی۔ کیونکہ اسماء وصفات کی تو کوئی انتہا ہی نہیں کہ ان کو قطع کرنے کے بعد سالک منتہائے مقصود تک پہنچ سکے۔ مشائخ نے اسی مقام کے متعلق بتایا ہے کہ مراتبِ وصول کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ محبوب کے کمالات لامتناہی ہیں۔ اور اس جگہ وصول سے مراد، وصلِ اسمائی وصفاتی ہی ہے۔ سعادت مند وہی سالک ہے جس کی سیر، اسماء وصفات میں اجمالی طریقہ پر واقع ہو۔ اور وہ تیزی کے ساتھ بارگاہِ ذات تعالیٰ و تقدس میں واصل ہو جائے۔

وصولِ نہایت کے بعد رجوع لازم ہے

واصلانِ ذات کو آخری نقطۂ وصول (یعنی نہایت النہایت) تک پہنچنے کے بعد دعوت و ارشاد کے ساتھ واپس آنا لازمی ہے۔ اس مقام سے نہ لوٹنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ان متوسط حضرات کے برخلاف ہے جنہیں اپنی استعداد کی انتہاء تک

پہنچ جانے کے بعد واپس آنا لازمی نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آجائیں اور (یہ بھی) ہو سکتا ہے کہ وہ وہیں قیام کرنا قبول کرلیں۔ لہذا منتہی حضرات کے وصول کے مراتب کے لئے تو تکمیل و اتمام کا تصور کیا جاسکتا ہے بلکہ لازم ہے لیکن متوسط حضرات کے لئے جو اسمائی اور صفاتی تفصیل میں چلے گئے ہیں (وصول کے مراتب کی) کوئی انتہا نہیں ہے (کہ وہاں پہنچکر وہ تکمیل حاصل کرسکیں)۔ یہ علم ان مخصوص علوم میں سے ہے جو خاص اس فقیر کو عطا ہوئے ہیں۔ اور صحیح علم تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔ ۹۲

۵۴ - منہا

مقامِ رضا کی برتری مقامِ رضا، تمام مقاماتِ ولایت سے اوپر ہے اور اس بلند مقام کا حصول، سلوک اور جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے۔

سوال:- اگر لوگ دریافت کریں کہ ذاتِ حق سبحانہ اور صفاتِ حق تعالیٰ اور افعالِ حق سبحانہ سے رضا تو واجب ہے اور خود ایمان ہی میں ملحوظ ہے۔ لہذا عام مسلمانوں کو بھی اس سے چارہ نہیں ہے۔ تو سلوک و جذبہ کی تکمیل کے بعد اس کا حاصل ہونا کیا معنے رکھتا ہے؟

جواب:- اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ رضا کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اسی طرح جیسا کہ باقی ارکانِ ایمان کی صورت اور حقیقت ہوا کرتی ہے۔ ابتدائی حالات میں صورت کا تحقق ہوتا ہے۔ اور انتہا میں حقیقت کا تحقق ہوتا ہے۔ جب آدمی سے کوئی بات رضا کے خلاف ظاہر نہ ہو تو ظاہرِ شریعت فیصلہ کر دیتی ہے کہ اس شخص کو

رضا حاصل ہے، تصدیقِ قلبی کی طرح کہ جب تصدیق کے منافی کوئی بات نہ پائی جائے تو حصولِ تصدیق کا فیصلہ کر دیتے ہیں لیکن ہم (سالکین و عارفین) جس چیز کے درپے ہیں وہ حقیقتِ رضا کا حصول ہے۔ محض صورت کا نہیں۔ اور اللہ سبحانہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

۵۵ - منہا

ترغیب اتباعِ سنت و احتراز از بدعت کوشش کرنی چاہیے کہ سنت پر عمل کرنا اور بدعت سے بچنا میسر ہو خصوصاً ایسی بدعت سے جو سنت کو ختم کر دینے والی ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا ھٰذَا فَھُوَ رَدٌّ (یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات داخل کرے تو وہ قابلِ رد ہے) ایسی جماعت کے حال پر تعجب ہوتا ہے جو کہ دین میں نئی نئی چیزیں داخل کرتے ہیں باوجودیکہ دین ہر طرح مکمل ہو چکا اور وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور ان نئی داخل کی ہوئی چیزوں (مُحدَثات) کے ذریعہ سے تکمیلِ دین کی تلاش کرتے ہیں۔ انھیں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ خدانخواستہ اس نو ایجاد (مخترع) بات کی وجہ سے کہیں سنت کی نفی (ختم) نہ ہو جائے۔ مثلاً عمامہ کا شملہ دونوں بازوؤں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے شملہ کو بائیں طرف چھوڑنا اختیار کر لیا ہے اور اپنے اس عمل سے انھیں مُردوں
۸۵ے کے ساتھ تشبّہ (مشابہت) اختیار کرنا منظور ہوتا ہے۔ اور بے شمار لوگ اس فعل میں ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ اُن کا یہ عمل

سنت کی نفی کر رہا ہے، اور سنت سے ہٹا کر انھیں بدعت میں مبتلا کر رہا ہے اور بالآخر حرمت تک پہنچا دیتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تشبہ (مشابہت) اختیار کرنا بہتر ہے یا مُردوں کے ساتھ؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ہیں جو ایسی موت سے مشرف ہو چکے ہیں جو موت سے بھی پہلے آتی ہے۔ اگر وہ لوگ مُردہ کے ساتھ ہی تشبہ کے متلاشی ہیں تب بھی ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ ہی سزاوار ہو سکتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ میت کے کفن میں خود عمامہ پہنانا بھی بدعت ہے چہ جائیکہ اس کا شملہ چھوڑا جائے۔ اور بعض علمائے متاخرین نے جو میت کے کفن میں عمامہ دینے کو، جبکہ میت علمائے دین میں سے ہو، مستحسن قرار دیا ہے فقیر کے نزدیک تو کفن کی مسنون تعداد میں زیادتی کرنا نسخ یعنی سنت کو بدلنا ہے اور اصل سنت کو بدلنے کا مطلب سنت کو چھوڑ دینا ہے۔ اللہ سبحانہ ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند سنت کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام۔ اور خدائے تعالیٰ اس بندہ پر اپنا رحم فرمائے جو میری اس دعا پر آمین کہے۔

۵۶ ـ منہا

جنّات کے حالات ایک دن جنّات کے حالات کو اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا۔ اس فقیر نے دیکھا کہ جنّات گلی کوچوں میں انسانوں ہی کی طرح گھوم پھر رہے ہیں۔ اور ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اور وہ جن اس مقررہ فرشتہ کے ڈر سے اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اور اپنے دائیں بائیں

دیکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ مقید اور محبوس (قیدیوں) کی طرح پر گھوم رہے تھے اور قطعاً کسی مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تھے۔ بجز اس کے کہ میرا پروردگار ہی کسی چیز کو چاہے۔ اور اس وقت کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مؤکل (مقررہ فرشتہ) کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہے کہ اگر وہ اُس جن سے ذرا سی مخالفت کا بھی احساس کرے تو ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کردے ؎

خدائے کہ بالا و پست آفرید — زبردست ہر زیردست آفرید
(ترجمہ) خدا نے بنایا ہے بالا و پست — زبردست بالائے ہر زیردست

۸۶ ۵۷ ۔ منہا

ولی کو نبی پر جزئی فضیلت ولی جو کمال بھی حاصل کرتا ہے اور جس درجہ تک بھی پہنچتا ہے وہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے طفیل میں پہنچتا ہے۔ اگر نبی کی متابعت اور پیروی نہ ہوتی تو خود ایمان بھی حاصل نہ ہوتا۔ بلند ترین درجات تک راہ تو کہاں کھل سکتی تھی۔ لہذا اگر ولی کو جزئی فضیلتوں میں سے کوئی ایسی فضیلت حاصل ہو جائے، جو نبی کو حاصل نہیں تھی، اور اسے بلند درجات میں سے کوئی خاص درجہ میسر ہو جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا، تو یقیناً نبی کو بھی اس جزئی فضیلت اور اس خاص درجہ سے پورا پورا حصہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ولی میں اس کمال کا حصول اس نبی کی پیروی ہی کے واسطہ سے ہے اور یہ سب کچھ اس نبی کی اتباعِ سنت کے نتائج ہی کا ایک نتیجہ ہے۔ پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے مکمل حصہ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے

"مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا" (جس کسی نے کسی اچھے طریقے کی بنیاد رکھدی تو اسے خود اس کا ثواب بھی ملے گا اور ان لوگوں کے برابر بھی ثواب ملے گا جو اس طریقے پر عمل کریں گے)۔ البتہ ولی اس کمال کے حصول میں پیشرو ہوگا اور اس درجے تک پہنچنے میں مقدم ہوگا۔ اور ولی کی نبی پر اس قسم کی فضیلت حاصل ہونے کو علماء نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ جزئی فضیلت ہے، جسے کلی فضیلت کا مقابلہ کرنے کی مجال نہیں ہے اور وہ جو صاحبِ فصوص الحکم نے فرمایا ہے کہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) علوم و معارف کو خاتم الولایت سے حاصل فرماتے ہیں، تو وہ بھی اسی معرفت کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ اس فقیر کو اس معرفت کے ساتھ ممتاز فرمایا گیا ہے اور یہ سراسر شریعت کے موافق ہے۔ اور فصوص کے شارحوں نے جو اس بات کو صحیح قرار دینے کے لئے تکلف اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الولایت دراصل خاتم النبوت کا خزینہ دار اور خزانچی ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ خود اپنے خزانہ سے کوئی چیز لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ خزانچی ہی سے لے گا) اس سے بادشاہ کے مرتبہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے)

له حضرت شیخ محی الدین محمد بن علی ابن عربی قدس سرہ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ اندلس کے مشہور شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے اور ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ دمشق میں وفات پائی۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا اور فلسفۂ اشراقیت کے ماہر تھے۔ آپ نے توحید وجودی کے نظریہ کو پیش کیا جس کی کنہ و حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے کافی الجھنیں پیدا ہو گئیں جن کو حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے توحید شہودی کا نظریہ پیش کر کے صاف اور واضح کیا۔ حضرت شیخ کی تصانیف بہت ہیں ان میں فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ مشہور و اہم ہیں۔

حقیقتِ واقعہ وہی ہے جو میں نے تحقیق کرکے بیان کردی ہے۔ اور اس تکلف کا منشا محض یہ ہے کہ وہ لوگ معاملہ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔ اور اللہ سبحانہ تمام حقائقِ امور کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اور درود و سلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل اطہر پر۔

۵۸ - منہا

ولی کی ولایت نبی کی ولایت ہی کا حصہ ہوتی ہے ولی کی ولایت اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجزائے ولایت کا ایک حصہ ہے۔ ولی کو کتنے ہی بلند ترین درجات نصیب ہو جائیں وہ سب درجات، اس نبی کے اجزائے درجات میں سے ایک جزو ہی ہوں گے۔ جزو کتنی ہی عظمت پیدا کرلے کُل سے کمتر ہی ہوگا۔ کیونکہ اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ (یعنی کُل جز سے بڑا ہوتا ہے) قضیۂ بدیہیہ ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا جو کسی جزو کی بڑائی کا خیال کرکے اسے کُل سے زیادہ جانے۔ کیونکہ کُل کے معنی ہی یہ ہیں کہ دوسرے اجزاء کے علاوہ اس میں یہ جزو بھی موجود ہے۔

۵۹ - منہا

صفاتِ باری تعالیٰ کی تین قسمیں صفاتِ واجبی، تعالَتْ و تقدَّسَتْ، تین قسم کی ہیں۔ قسمِ اول، صفاتِ اضافیہ ہیں جیسے خالق ہونا، رازق ہونا۔ اور قسمِ دوم صفاتِ حقیقیہ ہیں، لیکن وہ اپنے اندر اضافت کا ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور قسمِ سوم، حقیقتِ محض ہے۔ جیسے حیات۔ پس اس میں اضافت کا کوئی امتزاج

نہیں ہے۔ اور اضافت سے ہماری مراد، عالم یعنی دنیا کے ساتھ تعلق ہونا ہے۔ اور تیسری قسم تینوں قسموں میں سب سے اعلیٰ اور تمام اقسام کی جامع ترین ہے اور امہاتِ صفات میں سے ہے۔ صفتِ علم اپنی جامعیت کے باوجود صفتِ حیات کی تابع ہے اور صفات اور شیونات کا یہ دائرہ صفتِ حیات پر ختم ہو جاتا ہے اور مطلوب تک رسائی حاصل کرنے کا دروازہ بھی یہی صفت ہے۔ اور چونکہ صفتِ حیات کا درجہ صفتِ علم سے اوپر ہے۔ اس لئے لامحالہ اس مقام تک رسائی بھی علم کے مراتب کو طے کر لینے کے بعد ہی ہو گی۔ خواہ وہ علمِ ظاہر ہو یا علمِ باطن، خواہ علمِ شریعت ہو یا علمِ طریقت۔ اور وہ لوگ جو اس دروازہ میں داخل ہوتے ہیں وہ بہت ہی کم (کم سے بھی کم تر) ہیں۔ جھریوں اور کوچوں کے پیچھے سے لوگ اپنی نگاہیں اندر ڈال لیتے ہیں (خود اندر نہیں پہنچ سکتے) اور ایسے لوگ بھی بہت ہی کم ہیں۔ اگر میں اس مقام کے اسرار میں سے کوئی راز بھی بیان کروں تو گردن اڑا دی جائے

شعر

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ
وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(ترجمہ) بیان کرنا ہی ان اسرار کا مشکل مگر اب ہے
چھپانا ان رموزِ خاص کا اجمل ہے انسب ہے

اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

۶۰۔ منہا

خدا کا مِثل نہیں ہو سکتا، مثال ہو سکتی ہے۔ حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ "مِثل" سے منزہ ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (اس کے مثل کوئی چیز بھی نہیں ہے)۔ لیکن علماء نے "مِثال" اور "مَثَل" کو جائز رکھا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کے لئے تو بلند ترین مثال ہے، یا اللہ کی تو بلند ترین شان ہے)۔ اربابِ سلوک اور اصحابِ کشوف کو مثال ہی سے تسلّی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو، چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں۔ وجوب (ذاتِ واجب) کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں۔ بیچارہ سالک، مثال کو صاحبِ مثال کا عین سمجھ لیتا ہے اور صورت کو صاحبِ صورت کا عین خیال کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو تمام چیزوں میں دیکھتا ہے اور اسی احاطہ کی مثال کا تمام دنیا میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور وہ خیال کر لیتا ہے کہ جو چیز نظر آ رہی ہے وہ احاطۂ حق سبحانہٗ کی حقیقت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ تو بے چون اور بیچگون ہے، اور اس سے منزہ و پاک ہے کہ وہ شہود (مشاہدہ) میں آسکے اور کسی پر ظاہر ہو جائے۔ اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق سبحانہٗ ہر چیز کو محیط ہے لیکن ہم اُس کے اِس احاطہ کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے؟ اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اس احاطہ کی شبیہ اور مثال ہے۔ اور حق تعالیٰ کے قرب اور اس کی معیت کو بھی اِسی پر قیاس کرنا چاہیے، کہ جو کچھ مشاہدہ اور

کشف میں آتا ہے وہ ان کی شبیہ اور مثال ہے اُس کی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام باتوں کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ کے اس قُرب اور معیّت کی حقیقت کیا ہے؟۔ اور بہت ممکن ہے کہ جو کچھ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے کہ "یتجلی ربنا ضاحکاً" (یعنی ہمارا پروردگار ہنستے ہوئے تجلی فرمائیگا) ۸۹ وہ صورتِ مثالی کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ کمالِ رضا و خوشنودی کا حاصل ہونا مثال میں ہنسنے کی صورت میں ہی دکھایا جاتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہاتھ، چہرہ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی مثالی صورت کے اعتبار سے ہی ہو ــــ میرے پروردگار نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ اور خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص فرما لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر اور سلامتیاں اور برکتیں بھی نازل ہوں۔

۶۱ ـ منہا

تنبیہ: احوال، وجدانات اور علوم و معارف کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اگر اس راقم کی عبارت میں کوئی تناقض یا اختلاف معلوم ہو تو اُسے اوقات کے مختلف ہونے اور حالات و کیفیات کے جداگانہ ہونے پر محمول کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہر وقت کے احوال اور وجدانات مختلف ہوتے ہیں۔ اور ہر حالت و کیفیت کے علوم و معارف جداگانہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا

درحقیقت یہ کوئی تعارض یا اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کی مثال احکامِ شرعیہ کی مثال کی طرح ہے کہ وہ منسوخ اور تبدیل ہونے کے بعد متضاد احکام نظر آتے ہیں۔ لیکن جب اوقات اور حالات کے اختلاف کو نظر میں رکھا جاتا ہے تو وہ تناقض اور اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر اور سلامتیاں اور برکتیں بھی نازل فرمائے۔

ان عجیب و غریب اور بلند نکات کا جامع، بندۂ ضعیف محمد صدیق بدخشی الکشمی الملقب بالھدایۃ کہتا ہے کہ ان معارفِ عالیہ شریفہ کی تسوید سے جس کا نام "المبدأ والمعاد" ہے، اواخر ماہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے وقت سنہ ایک ہزار انیس (۱۰۱۹ھ) میں فراغت حاصل ہوئی۔

رُباعی

ف　این نسخہ کہ مبدأ و معاد است بنام　　ز انفاسِ نفیس حضرتِ فخرِ کرام

چوں کرد ہدایت اقتباس از سرِ صدق　　در سالِ ہزار و نوزدہ گشت تمام

(یعنی یہ نسخہ کہ جس کا نام مبدأ و معاد ہے، حضرت فخر کرام (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے فرمودات سے ہے۔ جب ہدایت (لقبِ جامع) نے اسے صدق و صفا کی راہ سے اقتباس کیا تو وہ سنہ ایک ہزار اور انیس میں مکمل ہو گیا۔)

ف از حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی:- "چوں کرد ہدایت انعقاد از سرِ صدق"
۹ + ۹۰ = ۱۰۱۹ھ

صدیق ہدایت کہ شدش چرخ بکام　　　ما نا کہ ز صدق شد ہدایت فرجام

زیں خود چہ عجب لیک تحقیق این است　　　کز جوشِ شرابِ احمدی یافتہ جام

(یعنی: صدیقِ ہدایت کہ تقدیر بھی جس کی ہمنوا تھی، بالضرور وہ سچائی کی وجہ سے ہدایت فرجام ہوگیا۔ اور یہ خود کتنا عجیب ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرابِ احمدی کے جوش سے جام حاصل ہوا ہے۔)

اشاریہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۹-۱۰-۱۶-۱۷-۱۸-۲۹-۳۹-۴۰-۴۴-۵۲-۶۰-۶۳-۸۱-۸۲-۸۵-۸۹-۹۲ و ۱۰۲-۱۰۳-۱۰۶-۱۲۴-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۸-۱۵۸-۱۹۲-۱۷۴-۱۷۹-۱۸۶-۲۰۳-۲۰۵-۲۰۷-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۵-۲۱۹-۲۲۱-۲۲۲-

(الف) حضرت آدم علیہ السلام ۶۹-۸۳ + ۱۸۸-۲۱۲

حضرت ابراہیم علیہ السلام ۳۳-۸۲-۸۳ + ۱۲۹-۲۱۱

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ۸۰ + ۲۰۷

شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ ۴۳ + ۱۸۹-۱۹۶-

ابوجہل لعین ۸۱ + ۲۰۹-

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ ۵۵-۵۶ + ۱۶۶-۱۶۷

شیخ ابو منصور ماتریدیؒ ۴۳ + ۱۹۶

ابلیس لعین ۳۱ + ۱۳۶

امام احمد حنبل رحمۃ اللہ ۵۵ + ۱۶۶

امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ ۹ + ۹۳

حضرت اسد اللہ الغالب علی رضی اللہ عنہ ۱۰ + ۹۴

(ب) حضرت بلال رضی اللہ عنہ ۸۱ + ۲۰۹-۲۱۰

(ج) جن ۸۵ + ۲۱۵-۲۱۶

(خ) حضرت خضر علیہ السلام ۱۲ + ۹۷

خواجہ (باقی باللہ رحمۃ اللہ) ۲۶-۲۷ + ۹۳-۱۰۲-۱۶۷-۲۰۱-۲۰۲

لہ (حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ۔ ایں خود چہ عجب ولیک تحقیق این است۔ بجوش از شرابِ احمدی یافتہ جام ۵ ، ۷ ، ۲۴ ، ۲۴ ، ۲۱۰۱۹

(ر) حضرت رابعہ بصریہؒ ۹۳-۹۴ ٭ ۱۷۹-۱۸۰

(ش) امام شافعیؒ ۵۴-۵۵ ٭ ۱۲۵-۱۶۶-۱۶۷

شیخ شبلیؒ ۵۹ ٭ ۱۷۲

• شرف الدین منیریؒ ۸۰ ٭ ۲۰۷-۲۰۸

• شہاب الدین سہروردیؒ ۱۳ ٭ ۹۸

شیطان ۳۱-۳۳ ٭ ۱۲۷-۱۳۸

شیعہ ۷۷ ٭ ۲۰۳

(ص) صاحب عوارف ۳۳ ٭ ۱۲۹-۱۳۰

صاحب فتوحات ۷۱ ٭ ۱۸۱

صاحب فصوص ۸۶ ٭ ۲۱۷

صاحب کشاف ۳۳ ٭ ۱۳۶

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۲۹-۳۰-۳۱-۶۱-
۸۱ ٭ ۱۳۰-۱۳۲-۱۷۶-۲۰۹

(ع) مخدوم عبدالاحدؒ ٭ ۹۶

مولانا عبدالرحمن جامیؒ ۵۶ ٭ ۱۶۸

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۶۹ ٭ ۱۸۸

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ۱۱ ٭ ۹۶

• عبدالقدوس گنگوہیؒ ٭ ۹۶

عرش ۴۸ ٭ ۱۵۵

خواجہ علاءالدین عطارؒ ۱۰-۵۶ ٭ ۹۴-۱۶۸

شیخ علاؤالدولہؒ ۲۳ ٭ ۱۱۵

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۵۵-۶۷-۶۹-۸۲
٭ ۱۶۷-۲۰۳-۲۰۵-۲۱۱

(ف) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ۱۰ ٭ ۹۳

فصول ستہ ۵۵ ٭ ۱۶۷

(ق) قرآن مجید ۶۱-۷۶-۸۰ ٭ ۱۱۱-۱۷۷-۲۰۰-
۲۰۸-

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ۱۲ ٭ ۹۷

(ک) کعبہ معظمہ ۲۲ ٭ ۱۱۳

شاہ کمال کیتھلیؒ ٭ ۹۶

(م) امام مالکؒ ۵۵ ٭ ۱۶۶

خواجہ محمد پارساؒ ۵۵ ٭ ۱۶۷

• محمد صدیق بدخشیؒ ۸۹ ٭ ۲۲۲

مصر ۳۹ ٭ ۱۵۷

حضرت موسیٰ علیہ السلام ۸۲ ٭ ۲۱۱

حضرت امام مہدیؑ ۱۸-۲۰-۲۸ ٭ ۱۰۷
-۱۱۰-۱۲۴-

(ن) نفحات ۵۶ ٭ ۱۶۸

خواجہ نقشبندؒ ۱۰-۲۳-۵۶ ٭ ۹۴-
۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۶۸

حضرت نوح علیہ السلام ۶۹-۸۳ ٭ ۱۸۸
۲۱۱-۲۱۲

(ہ) ہاروت ماروت ۱۳۰ ٭ ۱۲۵

(ی) مولانا یعقوب چرخیؒ ۵۶ ٭ ۱۶۸

حضرت یونس علیہ السلام ۸۱ ٭ ۲۰۹

تمت

ادارۂ مجددیہ کی جملہ مطبوعات

اثبات النبوۃ	گلدستہ مناجات
انوار معصومیہ	مبدأ و معاد
تہلیلیہ	معارف لدنیہ
حضرت مجدد الف ثانیؒ	معجم القرآن
حیاتِ سعیدیہ	مقامات زواریہ
ریڈیو تقاریر	مکتوبات حضرت مجددؒ فارسی
زبدۃ الفقہ کامل	مکتوبات حضرت مجددؒ اردو ترجمہ
شرح رباعیات	مکتوبات معصومیہ فارسی
طریقہ حج اور دعائیں	مکتوبات معصومیہ اردو ترجمہ
عمدۃ السلوک	مکاشفات عینیہ مجددیہ
عمدۃ الفقہ کامل	ہدایت الطالبین

ادارۂ مجددیہ

۵/۲، ایچ ۔ ناظم آباد ۳ ۔ کراچی